چندر مکھی

PART 2.



پنالال

بدن میں سنسنی پیدا کرنیوالا افسانہ

چندر مکھی

کا دوسرا حصہ

انتقام

مصنفہ

لالہ پنا لال صاحب ناولسٹ

مصنف۔ جانباز قاتل۔ لاہوری پریوں کی داستان۔ دیوانی لڑکی خونی آنکھ۔ خونی داستان۔ زہریلا کنٹھ۔ لاکھ روپیہ کا فوٹو۔ وفا کی پتلی۔ زخم بے نشان وغیرہ

پبلشرز

جے ایس سنت سنگھ اینڈ سنز تاجران کتب و پبلشرز

سعید بلڈنگ چوک متی لاہور

مشہور عالم پریس لاہور بیرون دروازہ شیرانوالہ باہتمام پنڈت رگھناتھ داس منیجر چھپا

بار اول

قیمت ۱۲

لاہوری پریوں کی داستان

مشہور ناولسٹ لالہ پنا لال صاحب کا لکھا ہوا عبرت انگیز زبردست رنگین فسانہ
اِس ناول میں اُن رازوں کا انکشاف کیا گیا ہے کہ جن کو پڑھ کر بدن کے
رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بے اختیار منہ سے واہ نکل جاتی ہے
اِس میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح ایک حیا سوز عورت اپنے پتی کے سامنے
اور اپنی ساس نندوں میں رہتی ہوئی اپنے آشناؤں کے ساتھ مزے
لوٹتی ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ اپنی نیک چلنی کا ثبوت دیتی رہتی ہے۔
لیکن اُسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ سارا خاندان ہی ایسے لطف سے بہرہ
اندوز ہو رہا ہے۔ اور اکیلی میں ہی مزے نہیں لوٹ رہی بلکہ گھر کی ہر
ایک چھوٹی بڑی اپنے اپنے آشناؤں سے شادکام ہو رہی ہے۔ اُن کا
اپنے اپنے آشناؤں کو خفیہ راستوں سے اپنے کمروں میں لانا اور خود
کوٹھی خانوں اور ہوٹلوں میں جا کر عیش اُڑانا۔ دلالہ عورتوں کی چالبازیاں
نوجوان اور ساہوکاروں کی اولاد کا بگڑنا۔ ایک بڑے اعلیٰ خاندان کی
ملازم عورت کی زبانی تمام حالات کا اظہار عجیب حیرت میں ڈالنے والا
دلکش فسانہ ہے قیمت فی جلد ایک روپیہ عہ

المشتہران

جے ایس سنت سنگھ اینڈ سنز تاجران کتب چوک متی لاہور

اوم

چندر مکھی حصّہ دوم

انتقام

باب پہلا

اُن خطرات کا مقابلہ کرتی ہوئی چندرہ میدانِ عمل میں آئی۔ اخبارات میں مضمون دئیے۔ لیڈروں سے ملی۔ حُکام سے مطالبہ کیا۔ پریکم جس دن سے گرفتار ہوا کوئی خبر نہیں آئی۔ اُس کا پتہ دیا جائے آیا زندہ ہے یا مار دیا گیا ہے۔ لاہور سنٹرل جیل میں ہے یا کسی اور مُلک میں بھیج گیا ہے۔

ایک دفعہ ایسا کرنے سے کامیابی نہ ہوئی۔ دوسری بار لکھا۔ کیا وجہ ہے کیوں جواب نہیں دیا جاتا۔ حُکام کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میں اُس کی رہائی کے لئے کوشاں نہیں ہوں۔ نہ اُس کی جُدائی کا شکوہ بیان کرتی ہوں۔

اگر مجھے خیال ہے تو صرف اُس کی بوڑھی ماں کا ہے جو اس وقت شہر کے ایک ویران محلّہ کے ایک خستہ مکان میں جانکنی کی حالت میں پڑی ہے۔ اور جس کی زبان پر ہر وقت بیٹے کا نام جاری ہے اور حُکّام اس بات کا صحیح جواب دینگے تو میں اُن کی مشکور ہونگی۔ مجھے اُس سے ہمدردی ہے اور میں حکام سے اُس کے متعلق انصاف کی اپیل کرتی ہوں۔

اِس کا جواب چندرہ کو ایک عجیب طریقہ سے ملا۔ ایک دن وہ اپنے مکان میں حسرت کے آنسو بہا رہی تھی اور اِس سارے کھیل کے انجام کو تصوّر میں لا رہی تھی کہ یکایک دروازے پر کسی نے دستک دی۔ چندرہ نے کھڑکی میں سے دیکھا کہ چند پولیس مین اور ایک تھانیدار دروازے پر کھڑا ہے۔ چندرہ اُن کو دیکھ کر کمزور دل عورتوں کی طرح ذرہ بھی پریشان نہ ہوئی بلکہ دل میں خوشی محسوس کرتی ہوئی نیچے اُتری اور دروازہ کھول دیا۔ افسر نے اپنے آنے کا مدعا بیان کیا جب اُس کو معلوم ہوا کہ میرے مکان کی تلاشی لینے آئے ہیں تو کانپ اُٹھی۔ اِس لئے نہیں کہ اُس کے مکان میں مشتبہ چیزیں تھیں بلکہ اس لئے کہ مجھ پر بھی کوئی بلا نازل ہوا چاہتی ہے اُس نے راستہ چھوڑ دیا۔ افسر نے دو تین معتبر ہمسائیوں کو بلایا اور اُن کے سامنے مکان کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ مکان سے کوئی خاص چیز برآمد نہ ہوئی تاہم تمام کاغذات اپنے قبضہ میں کر لئے گئے۔ اور افسر دو آدمیوں کو وہاں چھوڑ کر خود واپس چلا گیا۔ چندرہ نے خیال کیا کوئی تازہ مصیبت آنے والی ہے۔ مصیبت کا اتنا خطرہ نہیں تھا جتنا پریم کی والدہ کا اُسے خیال تھا

شاید آج کا دن یا چند گھنٹے آزادی کے ہیں۔ اس سے فائدہ اُٹھالوں۔ اِس خیال کے آتے ہی وہ مکان پر تالا لگا کر بازار میں نکل آئی ایک سپاہی وہیں پہرے پر کھڑا رہا اور دوسرا چندرہ کے تعاقب میں گیا۔ تھوڑی دیر میں چندرہ ایک ٹوٹے پھوٹے مکان میں داخل ہوئی وہاں جاکر دیکھا کہ پریم کی بوڑھی والدہ مصیبت کی ماری غم کے آنسو بہا رہی ہے۔ وہی عورت جس کے چہرے پر چند دن پہلے پریم کے آنے سے خوشی کے آثار پائے جاتے تھے آج غم سے مُردہ ہو رہی ہے۔ چندرہ سے اُس کی یہ حالت دیکھی نہ گئی اُس کی چیخیں نکل گئیں اُس کے گلے لگ کر سسکیاں لینے لگی۔ پریم کی والدہ نے سوچا کوئی نیا حادثہ پیش آنے والا ہے بس فوراً ہی اُس کے دل میں ایک ہول سا پیدا ہوا۔ اور وہ بچھاڑ کھا کر زمین پر جا پڑی۔ چندرہ نے بڑھکر اُسے سنبھالا۔ اور تسلی دیتے ہوئے اپنے غم کی داستان یوں بیان کی:۔

"تائی! میں اِس وقت تمہارے پاس اِس لئے آئی ہوں کہ جو کچھ میرے پاس موجود ہے تم لے لو میں عنقریب پریم کی طرح اسیر ہو جاؤنگی میری عقل کہہ رہی ہے۔"

بوڑھی نے جب چندرہ کی یہ باتیں سُنیں تو اُس کا دل غم سے بیٹھ گیا کیونکہ پریم کے جانے کے بعد وہ چندرہ سے مل کر غم غلط کیا کرتی تھی۔ وہ بھی جُدا ہو رہی ہے۔

چندرہ نے سسکیاں لے کر کہا "آج تلاشی ہوئی ہے شام

تک پہنچ ہی جاؤنگی ۔ اُمید نہیں کہ پولیس پیچھا چھوڑے "۔

بوڑھی نے کہا "میں بھی چلونگی بیٹی! میں بھی تیرے ساتھ چلونگی ۔ میں بھی جیل یاترا کرونگی "۔

چندرہ نے ایسی دیوانگی سے جو انتہائی محبت کے بعد نصیب ہوتی ہے التجا آمیز لہجہ میں کہا "نانی تم نہ جانا ۔ تم پریم کی انتظار کرو ۔ وہ ایک نہ ایک دن ضرور آئیگا ۔ میرا دل کہہ رہا ہے ۔ میں جیل میں جا کر فاقے کرونگی اور اسی طرح جان دیدونگی "۔

بوڑھی نے حسرت سے کہا "آہ میں بھی فاقے کرونگی تاکہ میں اور تم دونو ایک ہی حالت میں اور ایک ہی وقت میں مریں ۔ اور کبھی ایک دوسرے سے جُدا نہ ہو سکیں "۔

چندرہ نے ہاتھ جوڑ کر منت سے کہا "نانی! ضد نہ کرو ۔ میرے مکان میں اُٹھ چلو ۔ ایسی کٹھن تپسیا و نیا دار برداشت نہیں کر سکتے "۔

"نہیں بیٹی ۔ اسی قسم کے خستہ کمرے میں لے چلو تو مضائقہ نہیں ۔ لیکن میں تمہارے شاندار مکان میں نہیں جا سکتی ۔ بیشک جیل میں لے چلو ۔ وہاں پریم تو ہوگا لیکن اگر بفرض محال پریم نہ مل سکا تو اُسی طرح کے اور مصیبت زدہ بیگناہ نوجوان تو ضرور ہونگے میں اُن کو پریم سمجھ کر تابیب کر کے اپنا دل ٹھنڈا کر دونگی "۔

"آہ ۔ نانی! اگر یہی خواہش ہے تو آؤ میرے ساتھ چلو ۔ ہم دونو ایک جگہ رہ کر سرکار سے التجا کرینگے ۔ یا دانستہ کسی ایسے جرم کا ارتکاب کریں گے

جس سے ہم قانون کی زد میں آکر اپنی مُراد کو پا سکیں"۔
بوڑھی نے کہا، "تو میں چلنے کو تیار ہوں"۔ اور پاگلوں کی طرح سر کو اٹھا ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔

چندرہ جو کہ عقل و دانش میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی وہ بھی آج اُس کے حالات کے مطابق دیوانے پن کا اظہار کرتی اور نہ سمجھنے والی قسم سے منہ میں گنگناتی رہی۔ بوڑھی نے اُٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"چندرہ! ادھر تمہارا دھرم بھائی دلیپ آیا یا نہیں؟"

چندرہ نے متوالے انسان کی طرح جو یکا یک کوئی ہولناک خواب دیکھ کر چونک اُٹھتا ہے اوپر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "نہیں تائی اب سب سورگ میں ملیں گے"۔

دونوں عجیب انداز بے پرواہی سے بازار کی بھیڑ کو چیرتی ہوئیں چندرہ کے مکان پر پہنچیں۔ چندرہ نے تالا اُتار کر دروازہ کھولا۔ دونوں اندر چلی گئیں۔ اور اندر سے زنجیر لگا دی۔ چندرہ نے بڑھی کو ایک کمرہ میں بٹھایا اور خود ایک کھڑکی میں جا کر بیٹھ گئی۔ معاً ایک چٹھی رساں نے آکر آواز دی۔ پولیس مین آگے بڑھ کر دبی آواز میں بولا۔

"شور مت کرو۔ چٹھی ہمیں دیدو۔ سرکاری حکم ہے"۔

چٹھی رساں اُس کی طرف دیکھ کر بولا۔ "ہم صاحب پوسٹ ماسٹر کی اجازت کے بغیر ایسا نہیں کر سکتے"۔

پوسٹ مین نے جو کچھ کہا درست اور بجا کہا۔ سپاہی نے اپنی کارگزاری

دکھانے کی خاطر اُسے ذرا تندھی سے کہا "تم میری طرف دیکھو میں کون ہوں"
پوسٹ مین نے لاپرواہی سے کہا "میں کچھ نہیں کر سکتا"۔
اوپر کی طرف دیکھ کر کہا "بی بی یہ لفافہ . . . .
چندرہ متبسم آنکھوں سے دیکھ کر بولی "بھائی! کیا جو کچھ تم نے کہا ہے بجا ہے ؟"

"ہاں وہی"۔

"تو لاؤ۔ میں قانون کے خلاف نہیں چلتی" یہ کہکر چندرہ نے اوپر سے چھینکا لٹکا دیا اور پوسٹ مین نے لفافہ اُس میں گرا دیا"
سپاہی نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔ اُس نے جرأت دلائی۔ مگر چندرہ نے معاملہ بھانپ کر جلدی سے چھینکا اوپر کھینچ لیا۔ فوراً لفافہ پھاڑ کر چٹھی نکال کر پڑھنے لگی۔
چندرہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ آہ کیسا خوفناک ثبوت ہاتھ آجاتا کھڑکی سے پیچھے ہٹ کر چٹھی پڑھنے لگی۔ جیوں جیوں چٹھی پڑھتی جاتی تھی چہرے پر زردی چھاتی جاتی تھی۔ آنسو بہ رہے تھے۔ بدن کانپ رہا تھا۔ دل دھڑک رہا تھا۔ دماغ میں شدت کی گرمی کام کرنے لگی۔ چٹھی کا مضمون حسب ذیل تھا:۔

بہن چندرہ اشتے

جس دن سے میں آپ سے جدا ہوا ہوں دل ٹھکانے پر نہیں۔ کیا کرنا چاہتا ہوں کیا ہوتا ہے۔ یہ معمے حل ہونے میں نہیں آتے۔ حیران

ہوں۔ میرے دماغ کو کیا ہو گیا ہے۔ میری عقل اور طاقت کہاں چلی گئی۔ میں بالکل دیوانہ نہیں ہوں مگر دنیا اور سوسائٹی کے قابل بھی نہیں رہا۔ آج مہینے کا آخری دن ہے۔ میں تمہارے پاس حاضر ہونے کی بجائے اسی رقعہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ اس کو بغور مطالعہ کرو اور میری حالت کا اندازہ لگا لو۔ میں جب تم سے علیحدہ ہوا تو اپنے خونخوار ساتھیوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ انہوں نے میرے لئے موت کی سزا تجویز کی۔ میں نے ہر چند واویلا کیا مگر انہوں نے میری عاجزی کی پرواہ نہ کی۔ انہوں نے مجھے گرفتار کر لیا۔ آج رات کے وقت ایک شخص کی امداد سے میں فرار ہوا ہوں۔ باوجود آزاد ہونے کے میرا دل قابو میں نہیں ہے۔ وہ لوگ جو ملک کی آزادی کے لئے اپنی جانیں ہاتھوں پر لئے پھرتے تھے ان کی جدائی مجھے شاق گزر رہی ہے۔ ان کے حالات و مصائب میری آنکھوں کے سامنے آکر رقص کرنے لگتے ہیں۔ ان کی جانبازی اور ایثار مجھ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ میں نے اپنے ملک کے لئے کونسی قربانی کی ہے۔ ان کے ذہن اور دل میں اپنی حرکات سے دہشت کا بیج بو دیا جو نہ ملک کی خدمت کر سکتے ہیں نہ اپنی جانیں محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ میرا ضمیر مجھ سے کہتا ہے کہ اپنے قول و قرار پر قائم رہ اور اپنے ملک کے لئے جس قسم کا اپنے ساتھیوں سے وعدہ کر چکا ہے خواہ وہ تیرے حق میں برا ہے یا اچھا اسے عملی جامہ پہنا اور اپنی حمیت کو ٹھوکریں کھانے

سے بچا۔ مگر آہ چندرہ میں کیا کروں۔ میں اُس سمندر میں غوطے کھا رہا ہوں جس کا کنارہ نہیں ہے جس میں بچاؤ کی صورت تو درکنار موت بھی نصیب نہیں ہوتی۔ تڑپ تڑپ کر اپنی جان دیدینا چاہتا ہوں مگر یہ جان ایسی سخت اور اسباب ایسے پراگندہ ہیں کہ کچھ کر نہیں کرسکتا۔ شاید دو نسخ جس کا مذہبی کتابوں میں ذکر ہے اسی آزار لعد کرب کا نام ہے جو میرے تن بدن میں شعلہ زن ہے۔ کاش میں تمہاری امداد کرسکتا۔ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا مگر تا حال کامیاب نہیں ہوا۔ قسمت کا مارا اپنی کس مپرسی کو رو رہا ہوں۔ میرے مکان کے قریب ایک سنگین واردات ہوگئی ہے جس کے باعث میں اپنے مکان سے باہر نہیں نکلتا۔ اور پہچانے جانے کا کسی کو موقعہ نہیں دیتا۔ کیونکہ تین چار سراغرسان اُس معاملہ کی تحقیقات کررہے ہیں۔ اور اگر میں ایسی حالت میں تمہارے مال کی تلاش میں نکلوں یا تمہاری ملاقات کا ارادہ کروں تو آپ جان سکتی ہیں کہ مجھ پر کس قسم کی بلا نازل ہوسکتی ہے میں بڑا عیار اور دل کا فولادی تھا مگر اب بھیگی بلی اور ناکارہ دماغ ہوگیا ہوں۔ اگر آج رات کو یا آیندہ سنیچر کو موقعہ ملا تو تمہارے مکان پر رات کے وقت آؤں گا۔ کیونکہ ابھی ایک دن میں پہرہ داروں کی ڈیوٹی بدلتی ہے۔ اور میں اُن لوگوں کو بخوبی پہچانتا ہوں۔

آپ کا نامراد بھائی .....

چندرہ کو صرف ایک دلیپ سنگھ سے مدد کی اُمید تھی۔ وہ بھی اس طرح

کی پابندیوں اور بدقسمتیوں کا شکار ہوا۔ اب اُس کی رہی سہی طاقت بھی
جاتی رہی۔ چٹھی پھاڑ کر پرزہ پرزہ کر دی اور جلتی ہوئی انگیٹھی میں ڈال کر نیست
و نابود کر دی۔ پھر سوچنے لگی اب کیا کروں اگر دلیپ سنگھ آج رات یا سنیچر کو
اِدھر آیا تو کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ وہ مشتبہ آدمی ہے یقیناً پکڑا
جائیگا۔ اُس کی گرفتاری کے بعد میرا بچنا محال ہو جائیگا۔ اِس طرح بدقسمتی
زیادہ خوفناک صورت اختیار کر لیگی۔ آہ۔ اُس نے اپنا پتہ بھی تو نہیں لکھا
ورنہ اُسے اپنے حالات سے مطلع کر دیتی۔ اور کہہ دیتی کہ تمہارا میرے مکان
پر آنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔

چندرہ غم کے سمندر میں غوطے کھانے لگی کیونکہ وہ بے دست و پا تھی اور
دشمن قوی و مضبوط تھا۔ یہ ایک ناچیز اور کمزور ہستی اُس کے مقابلے میں کیا کر سکتی
تھی۔ آخر رہ کر ایک تجویز سوچی کہ اگر میں کسی طرح کہیں دور دراز ملک میں
فرار ہو جاؤں اور بھیس بدل کر پریم کا پتہ لگاؤں تو ممکن ہے ہم دونو آپس میں
مل سکیں اور دنیا کے مخمصوں سے نجات حاصل کریں۔

یہ خیالات تھے جو دلیپ سنگھ کی چٹھی کے مطالعہ کے بعد چندرہ کے
دل میں موجزن ہوئے۔ وہ اسی امر پر غور کرتی ہوئی مکان کی بالائی منزل پر
چلی گئی اور چند لحظ سکوت کے بعد آسمان کی طرف دیکھ کر بولی۔ اے پرماتما!
تیرے سوا اور کوئی دروازہ نظر نہیں آتا۔ جہاں جا کر جبہ سائی کروں تاکہ اپنے
مقصد کو پانے میں کامیاب ہو سکوں۔

دفعتاً ایک پتنگ اُس کے پہلو میں آ گرا۔ وہ چونکی اور اُس کی

ڈور کے ساتھ نگاہوں کے گھوڑے نے کام کیا۔ دیکھا بہت دور فاصلہ پر ایک جھلملاتی صورت نے اشارہ سے کچھ کہا۔ اُس نے اچھل کر پتنگ پکڑ لیا۔ راستہ میں دوسرے مکان والوں نے درمیانی ڈور کو توڑ لیا۔ پتنگ کے ساتھ ایک کاغذ بندھا تھا۔ چندرہ نے ڈور کو توڑ دیا مگر پتنگ کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ پتنگ سے چٹھی کھول کر پڑھنے لگی۔ اُس میں لکھا تھا۔

پیاری بہن۔ چندرہ!

مجھے علم نہ تھا کہ تم بھی میری طرح پولیس کا شکار بن رہی ہو۔ خیر مجھے اس بات کی خوشی ہوئی ہے۔ کہ تم کو میری چٹھی مل گئی ہے مگر تم کو اس بات سے متنبہ کیا جاتا ہے کہ اس چٹھی کا کوئی پُرزہ غیر کے ہاتھ میں نہ جانے پائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو ہم تم سب تباہ ہو جائیں گے آئندہ میں تم کو کسی اور طریقہ سے ملوں گا۔ اُس کی اطلاع پتنگ کی معرفت دونگا۔ اگر تم نے کوئی جواب دینا ہو تو لکھ رکھنا جس کو پتنگ کے ذریعے لے لونگا۔ پوسٹ مین جو آیا تھا۔ وہ میرا دوست ہے۔ میں نے ہی اُسے ایسا کرنے کی ہدایت کی تھی۔"

دلیپ

چندرہ نے اُسے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ وہ بارہ پتنگ اڑاؤ۔ خود نیچے آکر جلدی ہی جلدی چٹھی لکھ کر لے گئی۔

باب دوسرا

"پیارے بھائی - دلیپ سنگھ!

آج رات کو بارہ بجے آکر ملو میرے مکان کی پشت پر ایک ویران مکان ہے۔ اُس پر چڑھنے سے آپ کو روشنی نظر آئیگی۔ دیوار میں شگاف بنا ہوگا۔ اس میں ہاتھ ڈالنا۔ میں اشارہ سمجھ جاؤں گی دو منٹ میں مدعا بیان کردونگی۔ تم بھی یقیناً جواب سوچ لوگے بس بہت جلدی عمل کیا جاوے"!!

چندرہ

دلیپ سنگھ نے بڑی چالاکی سے پتنگ کو اونچا کیا اگر ذرا سستی ہوتی تو بنا بنایا کام بگڑ جاتا۔ کئی لفنگے پیچ کرنے کی کوشش کر کے ناکامیاب ہوئے دلیپ سنگھ نے پتنگ کو بے ہوائی کر کے جلدی جلدی اُتار لیا اور چٹھی پڑھ کر تسکین بخش آنکھوں سے چندرہ کی طرف دیکھا۔ دو تو مکان اس طرح بالکل قریب تھے لیکن ملنے کے وقت کئی گلی کوچوں سے ہو کر آنا پڑتا تھا۔ رات کے وقت حسب وعدہ دلیپ سنگھ چندرہ کے مکان کے آگے سے گذرا۔ اُس کا خیال تھا کہ مکان کے آگے پہرہ دار سو رہے ہونگے۔ مگر برعکس اس کے وہ بڑی ہوشیاری اور تندہی سے گشت کر رہے تھے۔ اور دو کی بجائے پانچ آدمی نظر آتے تھے گویا کسی خزانہ یا قبر اعلیٰ

کی حفاظت پر مقرر ہیں۔ اُس نے انداز لاپرواہی سے ایک سپاہی سے پوچھا
"یہ مکان کس کا ہے؟"
پہرہ دار نے کہا "آؤ دکھا دیں۔ اِس مکان کا مالک وہ کھڑا ہے۔"
جس طرف اشارہ کیا گیا تھا دلیپ سنگھ نے دیکھا ایک برقی روشنی میں
ایک وجیہہ اور خوبصورت نوجوان حقارت اور نفرت بھری آنکھوں سے
اُسے گھور رہا تھا۔ دلیپ سنگھ نے اُسے غور سے دیکھ کر لڑکھڑاتی آواز میں
کہا "شام داس!"
اُس شخص نے کڑک کر کہا "گرفتار کرلو۔"
اِس نادری حکم کے ساتھ ہی پانچوں آدمی اُس پر ٹوٹ پڑے دلیپ سنگھ
بے ہتھیار اور غمزدہ تھا اُس نے مطلق حرکت نہ کی اور اُن کے پنجۂ ستم میں اسیر
ہو کر انجام پر غور کرنے لگا۔
چندرہ جو دلیپ سنگھ کی انتظار میں گھڑیاں گن رہی تھی یکایک شور
سن کر اُس طرف آئی اور دروازہ کھول کر باہر نکل آئی اُس کا خیال تھا کہ
سرکاری آدمی ہوں گے لیکن اُس کو اُن دو کی بجائے جو صبح مقرر کئے گئے
تھے چھ آدمی دکھائی دیئے۔ اُن کے درمیان دلیپ سنگھ کو بے بس و مظلوم
کھڑے دیکھا۔
"اِس کو بھی۔"
افسر نے جو سازش کی نوعیت کو ذہن میں محفوظ رکھنے کا عادی تھا
اور نہایت شمشف مزاج دل رکھتا تھا چلا کر حکم دیا۔

ایک آدمی نے بڑھ کر چندرہ کو بھی گرفتار کر لیا۔

"لے آؤ"

وہ حکم دے کر سرعت سے ویران سڑک کی طرف روانہ ہوا اور تھوڑی دیر میں اُس باغ میں جس میں دلیپ سنگھ پہلے پہل چندرہ سے ملاقی ہوا تھا۔ جا داخل ہوا۔

دلیپ سنگھ بے بس تھا سامنے کی طرف دیکھنے لگا۔ روشنی ہوتی تو اور کچھ اچھی طرح دیکھتا۔ صرف شام داس نظر آیا جس کے ہاتھ میں پستول تھا اور ساتھی ہر طرح محافظ دلیپ سنگھ کو گھیرے کھڑے تھے۔

قریب تھا کہ وہ اپنے ہاتھ کو حرکت دے کہ چندرہ نے چلا کر کہا:۔

"ٹھیرو۔ مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو؟"

"ہم خواہ کوئی ہیں۔ تم زبان کو چپ رکھو"

چندرہ خوفناک شیر کی طرح بپھر کر اُس کی گرفت سے آزاد ہو گئی۔ اور شام داس کے قدموں میں جھک کر بولی:۔

"غالباً تم ہن کے ساتھی ہو؟"

شام داس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اپنے آدمی کو گھور کر دیکھا۔ اُس نے خوفزدہ ہو کر چندرہ کو پکڑنا چاہا۔ وہ چلا کر بولی۔

"میں کہیں جاتی نہیں میں تمہارے اشارے پر چلوں گی۔ تم صرف یہ بتا دو کہ کیا کرنا چاہتے ہو"

شام داس نے غصے سے کہا "او بیہودہ عورت خاموش رہو اور ہمارے

کام میں رکاوٹ نہ ڈالو"

"افسوس! تم مجھے کچھ بتاؤ تو سہی میں تمہیں مال و دولت سے نہال کر دونگی۔ تمہارا مطلب کیا ہے؟"

"ہم انصاف اور آزادی چاہتے ہیں۔ ظالموں۔ غداروں اور بدعہدی کرنے والوں کو سزا دینا چاہتے ہیں"

"کیا انصاف اور آزادی کے فیدائی اس طرح سنگدل ہوتے ہیں؟"

"چپ رہو۔ شورش مت کرو۔ ہمارے حالات سے تم ناواقف ہو"۔

"اور کون واقف ہو سکتا ہے۔ ہر ایک انسان اپنے انصاف اور سلوک سے اندازہ کر سکتا ہے۔ میں اپنی آنکھوں سے کیا دیکھتی ہوں"۔

"کیا دیکھتی ہو؟"

"ظلم اور بے انصافی"۔

"کس پر؟ کون کرتا ہے؟"

"مجھ پر اور (دلیپ سنگھ کی طرف اشارہ کر کے) اس پر"۔

"تم اس معاملہ میں دخل نہ دو۔ تم کو آزاد کر دیا جائیگا۔ یہ ہمارا مجرم ہے ہم اس کو سزا دینگے"۔

"اس کے جرم کی نوعیت کے ثبوت"۔

"موجود ہیں"۔

"غلط۔ بالکل غلط۔ یہ فرشتہ ہے۔ ظالمو! اس بے گناہ کو مت

یہ تمہارا حامی ہے۔ وفادار ہے۔ درد خواہ ہے۔ چھوڑ دو"۔

دلیپ سنگھ جو بے بس تھا اشکِ حسرت بہانے لگا۔

شام داس غصّہ سے بولا "عورت تو کس طرح سے جانتی ہے۔ کہ یہ بے گناہ ہے۔ جبکہ تجھے ہمارے حالات کا علم نہیں"۔

"مجھے علم ہے اور اس کا جواب اگر تفصیل سے سننا چاہتے ہو تو سنو تم ملک کو ناجائز طریقہ سے آزاد کرانا چاہتے ہو اور اس بیوقوفی کا نتیجہ یہ ہے کہ میں اور میری طرح کئی مظلوم لوگ تباہ اور برباد ہو گئے ہیں۔ حالانکہ میرا اور اُن کا اس معاملہ میں ہاتھ نہیں۔

"بیوقوف عورت تو نہیں جانتی کہ ہمارا ارادہ کتنا پاک اور اعلیٰ ہے"۔

"بیشک۔ میں جانتی اور مانتی ہوں۔ مگر یہ ارادہ اُس وقت تک پاک اور مبارک ہے جب تک اس میں نیک اور زندہ دل لوگوں کا ہاتھ ہے۔ جس وقت کینہ حسد اور جہالت آ جاتی ہے اُس وقت ملک کی بہبودی نہیں بلکہ بربادی کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ تم جہالت کے پتلے۔ کینہ، نا تراش، جوش اور غضب کی آڑ میں ملک کو برباد کر رہے ہو امن و امان سے زندگی بسر کرنے والے عیال داروں کو مصیبت کے منہ میں دھکیل رہے ہو۔ ظالمو! تم اگر میری بات پر توجہ نہ دوگے تو یاد رکھو تمہاری قسمت مظلوموں کی بد دعاؤں سے اُلٹ جائیگی۔ انقلاب زمانہ کے ساتھ تمہاری ہستی ناپاک ہستیوں کی طرح چیلوں اور کوّوں کے آگے بوٹی بوٹی کرکے ڈالی جائیگی۔ جوش اور غضب سے دیکھ کر یہ سب تمہارے افعالِ قبیحہ کا نتیجہ ہے جو میں اور میرے جیسی معصوم عورتیں خانماں برباد

ہو چکی ہیں!"

شام داس کی آنکھیں سُرخ انگارہ بن گئیں چلّا کر بولا "او عورت میں نے آج تک کسی مرد کو اتنی دیر تک مہلت نہ دی تھی کہ میرے ارادوں کی اس طرح بیباکی سے تضحیک کرے۔ اور اس طرح کھلے بندوں ہماری دھجیاں اڑائے۔ اگر تو اپنی خیر چاہتی ہے۔ تو خاموشی اختیار کر ہم اپنی قسمت کو اچھی طرح جانتے ہیں"۔

"تو جانتے رہو۔ میں تمہاری مخالفت نہیں کرتی۔ میں انصاف لگتی بات کہتی ہوں۔ تم بے گناہوں کو مت ستاؤ۔ ان کی آہیں عرش تک جائینگی

مت کسی کا دل دُکھاؤ مت کسی کی آہ لے

دل کے ہلنے سے ظالم عرش بھی ہل جائے ہے

اور تمہیں اس کا مزہ چکھا کر رہیں گی۔ ملک کی مظلوم ہستیوں کو پناہ دینے کی بجائے برباد کر رہے ہو۔ تمہاری حُب الوطنی پر لعنت ہے"۔

"خاموش۔ ہم زیادہ بک بک سننے کے عادی نہیں ہیں"۔

"تمہارا جبر اور سختی مجھے خاموش نہیں کر سکتی۔ میں پھر کھری اور سچ کہتی ہوں تم نے گورنمنٹ کو برباد کرنے کی تمنا کی ہے وہ تمہاری سرکوبی کے لئے دست راست سے کام لیگی اور میں اُس کی حمایت کے لئے اپنا تن من دھن سب کچھ لگا دونگی۔ بدمعاشو! ڈینگ مارتے ہو ہم پاک عمل کو تکمیل دینا چاہتے ہیں۔ لیکن انصاف کا خون کر کے فائدہ مند مشوروں کو حقارت سے دیکھتے ہو۔ تمہیں اپنے ناپاک ارادوں میں کبھی کامیابی نہیں

ہو سکتی ۔ یہ ایک ہندوستان کی کنواری ابلا معصوم لڑکی کی بددعا ہے جب تک تم انسانیت سے کام نہ لوگے کبھی شہرت حاصل نہ کرسکوگے جاؤ اور آزما کر دیکھ لو۔"

شام داس نے غصّہ سے اپنے ساتھیوں کو دیکھا ۔ دو آدمیوں نے چندرہ کے لب بند کر دیئے ۔ اور ایسی آوازیں جن میں شماتت اور تمسخر کو دخل تھا شام داس نے مخاطب ہو کر کہا " اے لڑکی تو نے تو جوش میں آکر آسمان تک کو ہلا دیا ذرا تحمل سے بتا تو سہی تو چاہتی کیا ہے اور تمہیں ہم سے عداوت کیونکر ہو گئی ہے "

چندرہ نے مستقل مزاجی سے کہا " میں چاہتی ہوں کہ میرا بیگناہ پریم جو محض تمہاری وجہ سے گرفتار ہو گیا ہے اُسے آزاد کرا یا جائے اور میری بے شمار دولت اس کے معاوضہ میں لے لی جائے ۔ سچی مردانگی یہ ہے کہ تم اپنے ملک اور قوم کا درد سینہ و دل میں رکھتے ہوئے اپنے کسی جان نثار کو اس کی خاطر قربان کر دو جو تمہارے معاملات سے بیگانہ ہے اور میری دولت سے اپنے ارادوں میں کامیابی حاصل کرو ۔ اور پرماتما کے حضور میں سچے دل سے دُعا کرو ۔ اس سے یہ ہی نہیں کہ تمہیں کامیابی ہوگی تمہارے ملک کا ہر فرد تمہیں دیوتا تصور کرے گا ۔ اور تمہاری ترقی کے لئے پرماتما کے حضور میں دُعا کریگا ۔ اگر تم نے اس کے برعکس عمل کیا جیسا کہ اب کر رہے ہو تو یاد رکھو نہ تمہیں دولت ملے گی نہ کامیابی ہوگی ۔ مخالفت بڑھ جائیگی اور تم سسکتے کی موت مارے جاؤگے ۔ نیز یاد رکھو ملک کی آزادی جب

والوں سے ہمدردی کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ نہ کہ گمنامی اور اشتعال انگیز حرکات وسکنات سے جس سے خواہ مخواہ گورنمنٹ کو شبہ ہوتا رہے۔ اور ہزاروں بے گناہ پکڑ پکڑ کر جیلوں میں دیدیئے جائیں۔ کیا میں نے یہ جو کچھ بیان کیا ہے غلط ہے؟"

شام داس ایسے انداز سے بولا۔ گویا اُس کے دل پر ان باتوں کا ذرا اثر نہیں ہوا"۔ اے پنڈتانی تُو تو غضب کی ذہین نکلی۔ مجھے تم سے ایسی اُمید نہ تھی۔ آخاہ! ہمارے مُلک کی عورتیں بھی کچھ کچھ عقل سے کام لینا سیکھ گئی ہیں۔ دوستو دیکھتے ہو عمل کرنا۔ اِن باتوں کو دل میں جگہ دینا اور بعد مرگ ان سے تسکین پانا یہ باتیں قابل قدر ہیں۔ اور ایک آدمی کو اشارہ سے کہا اِس کو دُور لے جاؤ"۔

وہ چندرہ کو کھینچ کر ایک طرف لے گیا۔ چندرہ نے کہا کوئی آرزو نہیں پرماتما رکھشا کر۔ اس آواز کے ساتھ ہی ایک آواز پیدا ہوئی۔ خبردار! اور وہ باغ جو تاریک اور خوفناک تھا بقعۂ نور بن گیا۔ ایک سمت سے بہت سے آدمیوں نے دوڑ کر بندوقیں تان لیں۔ درختوں کے ایک جھنڈ کے کے پیچھے سے آواز پیدا ہوئی "باغیو! ہتھیار ڈال دو۔ اگر تم نے ذرا حرکت کی اور یا بھاگنے کی کوشش کی تو ڈھیر کر دیئے جاؤ گے"!

شام داس کی اپنے ساتھیوں سے نگاہیں ملیں۔ ہر ایک کے چہرے پر زردی چھا گئی تھی۔ دلیپ سنگھ جو اُن کی گرفت میں بے بس تھا۔ آزاد ہو گیا۔ لیکن اُس کی حالت اُن سے بھی مکروہ تھی۔ وہ اپنے ساتھیوں کی

طرح بے چینی سے ہر چہار طرف دیکھ رہا تھا۔ شام داس نے ایک جسارت کی اور پستول سے پے در پے فائر کرتا ہوا ایک سمت کو بھاگ نکلا۔ لیکن چند قدم بھی نہ بھاگنے پایا تھا کہ بیسیوں کارتوس اُس کے بدن میں پیوست ہو گئے اور اُس کے باقی ساتھی آسانی سے اُن آدمیوں کی حراست میں آ گئے۔ جو اُن کی پُشت پر بندوقیں تانیں کھڑے تھے۔

دلیپ سنگھ نے سُنا شام داس نے جگر دوز آواز میں کہا۔

"بھارت ماتا اپنے مظلوم بیٹے کو اپنی گود میں لے لو۔ میں دوسرا جنم لینا چاہتا ہوں۔ ماتا! سُنو۔ غور سے سُنو۔ اپنے بیٹے کی فریاد سُنو۔"

دلیپ سنگھ کے آنسو نکل آئے۔ چندرہ یہ دہشت ناک سین دیکھ کر بیہوش ہو گئی۔

باب ۳ تیسرا

چندرہ کا ملازم رام دھن چندرہ کی حراست سے نکل کر کہاں گیا اِس کے متعلق ہم اپنے ناظرین کو کچھ بتانا چاہتے ہیں۔ اُس شیطان سیرت اِنسان نے کس قدر گناہوں کو تقویت دی۔ اور اپنے مستقبل کو ایک ایسے خاردار راستے پر ڈال دیا جس سے اُس کا بچ نکلنا غیر ممکن ہو گیا وہ بدمعاش فہم و فراست میں یکتا تھا۔ اُس نے اِس سازشی گروہ کے

تعاقب میں اپنے دل و دماغ کو لگا دیا۔ اور ایک ایسے مقام پر ان مذکورہ بالا اشخاص کو مقیم پایا جو کہ اُن کے لئے کمین کا کام دیتا تھا۔ اور وہاں تک سراغرسان کا خیال پر نہیں مار سکتا تھا۔ مگر اس موذی انسان نے حکام کو ایک چٹھی ایسے مضمون کی لکھی جس سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ میں سازشی لوگوں کا شریک ہوں۔ اگر گورنمنٹ وعدہ معافی کا اقرار کرے تو میں انقلابی غنڈوں کو بڑی آسانی سے گرفتار کرا سکتا ہوں۔ جو حال میں ہی امریکہ سے آئے ہیں۔

گورنمنٹ کو اور کیا چاہیئے تھا جھٹ وعدہ جان بخشی عطا کر دیا اور حاضر خدمت ہونے کا حکم دے دیا۔ وہ فوراً صاحب ڈپٹی کمشنر کے حضور میں حاضر ہوا۔ اور بیان کرنے لگا "جناب! میں ایک چندرہ نامی لڑکی کے پاس ملازم تھا۔ چندرہ کا عاشق پریم چند جو کہ بڑا خوبصورت جوان تھا ایک خوفناک سازش کا ارادہ رکھتا تھا۔ اُس نے اپنا ہمخیال ایک گروہ تیار کیا۔ اور روپیہ کثیر فراہم کر کے امریکہ کو چلا گیا۔ وہاں جا کر جو کامیابی اُس گروہ نے حاصل کی اُس کی اطلاع چندرہ اور دیگر دوستوں کو جن میں میں بھی شریک تھا وقتاً فوقتاً ہمیں بھیجتا رہا۔ چنانچہ جب اُسے مکمل طور پر کامیابی نصیب ہوئی معہ اپنے ہمراہیوں کے ہندوستان میں چلا آیا۔ یہاں پہنچنے پر مجھے معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو جو کہ اُن کے خیال سے نفرت کا اظہار کرتا تھا بمبئی میں ٹرین سے گرا کر فنا کر دیا جس کی شہادت آپ بمبئی پولیس سے لے سکتے ہیں۔ اور یہاں

گروہ ابھی کوئی مکمل طور پر پروگرام تیار نہ کرنے پایا تھا کہ کسی نامعلوم وجہ سے اُس کی گرفتاری عمل میں آگئی - اور اُس کی عدم موجودگی میں اُس شام داس نوجوان نے جو کہ پریم سے کسی طرح کم مشتعل مزاج نہیں تھا - گروہ کی عنانِ حکومت کو سنبھالا اور ایک پروگرام اِس قسم کا مرتب کیا جس کا مقصد تھا کہ ہندوستان کے کل انقلاب پسند لوگوں کو اطلاع دے دی جائے کہ فلاں تاریخ اور فلاں وقت پر تمام ہندوستان میں شورش بپا کر دی جائے - اور اس کے بعد انہوں نے تمام میگزین کا سامان مہیا کیا اور عنقریب ہر حصۂ ملک میں اُن کے آدمی سفر کرنے والے تھے مگر میں اس شش و پنج میں تھا کہ میں کیا کروں - کہ یہ دیوانے چند دن کے لئے ایک دوسرے سے جدا ہوئے اور مجھے غور کرنے کا موقعہ مل گیا چنانچہ میں نے یہ موقعہ غنیمت جان کر غور و خوض سے کام لیتے ہوئے حضور کی پناہ میں آنا مناسب سمجھا "

صاحب ڈپٹی کمشنر نے سنجیدگی سے دریافت کیا "اس وقت وہ لوگ کہاں مقیم ہیں؟"

اُس نے اس مقام کا پورا پتہ بتا دیا -

دوسرے دن شام کے وقت ایک جانباز انگریز افسر نے بھیس بدل کر اُس جگہ کا پتہ لگا لیا اور پولیس کا پورا انتظام کر کے اُس مقام پر قبضہ کر لیا - اُس مقام پر اُسے ۱۲ آدمیوں کی تازہ لاشیں نظر آئیں -

شام داس کو چونکہ اپنے ساتھیوں پر اعتبار نہیں رہا تھا اور وہ اپنے

آپ کو خطرہ میں دیکھ رہا تھا اس لئے اُس نے اپنے ساتھیوں کو پوشیدہ طور سے ہلاک کر کے نیا گروہ پیدا کر لیا تھا۔ اور نئے گروہ پر اپنا رعب قائم کرنے کی خاطر بہت کچھ کیا کیونکہ وہ بزدلی کی زندگی پر موت کو ترجیح دیتا تھا۔ اُس کی نگاہ میں موت ایک بچّوں کا کھیل تھا۔ وہ کہتا تھا اگر اپنے آدمی غداری نہ کریں تو کوئی بڑی سے بڑی طاقت ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اور زندگی کے متعلق اُس کے خیالات تھے کہ انسان کپڑے کی طرح چولا بدلتا ہے۔ بے شمار انسان بے آئی موت مرتے ہیں۔ اگر نیک ارادے کو پورا کرنے کی غرض سے چند سینکڑے یا ہزاروں آدمی قتل کیے جاتے ہیں تو یہ کونسی بڑی بات ہے لیکن وہ بد قسمت انسان خود ایسی بُری موت مرا جس کا حشر ناظرین پچھلے باب میں پڑھ چکے ہیں۔

شام داس کی سخت دلی اور لاپرواہی کی وجہ یہ تھی کہ اس نے خاندان کی قربانی دی تھی۔ اُس نے چھوٹی سی عمر میں گورو گوبند سنگھ جی کی طرح اپنے باپ سے کہا تھا کہ "پیارے پتا بھارت غلام ہے اسے آزاد کراؤ" باپ نے کہا تھا "بیٹا آزادی کا دیوتا انسانی سر مانگتا ہے"۔ اُس نے بھولے پن سے کہا "پتا اگر سر دینے سے بھارت آزاد ہو سکتا ہے تو میں اپنا سر دینے کے لئے تیار ہوں"۔

باپ نے گلے سے لگا کر کہا "بیٹا! دیوتا ایسے انسان کا سر مانگتا ہے جو دنیا میں نیک اور اپنی زندگی کو عزیز رکھتا ہو"۔

تب اُس نے کہا "پیارے پتا امیروں کے سوا کوئی شخص زندگی کو

عزیز نہیں سمجھتا اور نیکوں میں آپ بہت نیک ہیں۔ اس لئے آپ جیسا
باوفا انسان دنیا میں اور کون ہو سکتا ہے۔"
باپ بیٹے کے آزاد خیالات سُن کر دل میں مسرور ہُوا۔ نیز چونکہ وہ خود
خطرات میں پیدا ہوا تھا اور ساری زندگی مقابلوں اور کاوشوں میں بسر
ہوئی تھی۔ اِن جذبات کو قدرتی نگاہ سے دیکھ کر ملکی کام میں مصروف ہو گیا
اِس خدمت میں جس میں انسان کبھی امارت کا منہ نہیں دیکھ سکتا۔ وہ برباد
ہو گیا۔ حتیٰ کہ اُن کی زندگی جیلوں اور دیہات میں رُلتے رُلتے تباہ ہو گئی
اور یہ ہونہار شام داس سن بلوغت کو پہنچتے ہی باپ سے بڑھ کر جوش سے
کام کرنے لگا۔ اور کچھ عرصہ مُلک میں کام کرنے کے بعد امریکہ چلا گیا۔ اور
اپنے ساتھیوں کو جو اُس کے ہمراہ ہی اشتعال انگیز جذبات لے کر گئے
تھے۔ اپنے احساس و خیالات سے پوری طرح بہرہ ور کیا۔ اور وہ اُس
کے لیکچر کے زیر اثر اپنے گھر بار عیش و آرام غرضیکہ تمام دنیاوی خوشیوں کو
ترک کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ آخری دم تک قریباً ہر ایک فرد نے اپنی
جان انہیں خیالات کے زیر اثر قربان کر دی۔ اور شہادت کے شیریں خطاب
سے قدرت کی طرف سے منسوب ہُوا۔

باب چوتھا

شام داس کے جو ساتھی زندہ گرفتار کئے گئے تھے اُن کے متعلق رام دین نے جھوٹ موٹ کہا کہ "میں اِن سب کو جانتا ہوں۔ چندرہ کو دیکھ کر اُس نے کہا "یہ ان کو مالی امداد دیا کرتی تھی۔"

جب چندرہ کے حالات افسر موصوف نے سُنے تو دل میں خوش ہوا اور اُس کو اپنے ساتھ تنہائی میں لے جا کر دریافت کیا۔

"ہم نے تمہارا سب گفتگو سنا۔ اگر تم واقعی ایسا نیک اور سرکار کا وفادار ہے تو ہم تم کو چھوڑ دے گا۔"

چندرہ نے اپنے اور پریم کے تمام و کمال حالات کہہ سنائے جن کو سُن کر صاحب موصوف حیران ہوا اور اُس کو یقین دلا کر وعدہ کیا کہ تمہارے پریم کو بھی آزاد کر دیا جائیگا۔

چندرہ ایک ذمہ دار انگریز افسر کے کلماتِ ہمدردی سُن کر بڑی خوش ہوئی اور دست بستہ عرض کی کہ یہ دلیپ سنگھ بھی بے گناہ اور قابلِ رحم ہے جہاں تک میں نے غور کیا ہے اِس نے آج تک کسی قتل کا اقدام جرم نہیں کیا ہے۔"

"ہم اُس کے لئے بھی اقرار کرتا ہے۔ اور بتاؤ۔"

"اور آپ اُس پاجی کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ جس کے ایک ایک فقرے اور ایک ایک لفظ سے شرارت ٹپک رہی ہے؟"

"ہم اُس کا بھی بندوبست کرے گا۔"

چندرہ اپنے مکان میں واپس آگئی۔ دلیپ سنگھ کو بلا کر پوچھا گیا۔ اُس نے عین چندرہ کے بیان کے مطابق بیان دیا۔ اُن دونوں کی صداقت کو وقعت دیتے ہوئے افسر موصوف نے رام دھن کو بلا بھیجا۔ لیکن چپراسی نے آکر جواب دیا وہ بابو کھڑا تھا یکایک کہیں چلا گیا ہے۔

صاحب ڈپٹی کمشنر اُس کی روپوشی کا مطلب سمجھ گیا۔ فوراً حکم دیا۔ ہر ایک تھانہ چوکی میں اطلاع دی جائے اور اس حلیے کا آدمی فوراً گرفتار کیا جائے۔ جتنے پولیس والے باہر کھڑے تھے فوراً اندر گئے اور اپنے اپنے فرائض کی انجام دہی کو روانہ ہوئے۔

ہمارے ناظرین سمجھ گئے ہوں گے کہ بابو رام دھن کیوں فرار ہوا تھا اس کی وجہ صاف ہے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر کی نیک خلقی و انصاف پروری نے اُس پر ثابت کر دیا۔ کہ چندرہ اپنی بے گناہی سے آزاد ہو جائیگی چنانچہ وہ آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا دور فاصلے پر چلا گیا۔ اور جلدی ایک موٹر کرایہ کی لے کر فرار ہو گیا۔ اور دُور ایک ویران سڑک پر جا کر موٹر روک دی اور بظاہر ایک کوٹھی میں داخل ہو کر پشت کی طرف سے دوسری سڑک پر نکل گیا اور وہاں شام تک چھپا رہا۔ جب رات کی تاریکی پھیلی تو امرت سر کی سڑک پر اپنے بھائی کی طرف پاپیادہ چل کھڑا ہوا۔

باب پانچواں

پیشتر اِس کے کہ ہم چندرہ اور اُس کے دوستوں یا دشمنوں کے متعلق جو آزادی اور مسرت کی زندگی بسر کرتے تھے کچھ بیان کریں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب پریم کی نسبت بھی کچھ حالات لکھے جائیں۔

پریم کو لاہور سے ہوائی جہاز کے ذریعہ بمبئی جیل میں بھیجا گیا مگر اُس شہر میں پیشتر ازیں کئی دفعہ باغیانہ وارداتیں رونما ہو چکی تھیں اس لئے اُنہوں نے پریم کو وہاں قید رکھنا مناسب نہ سمجھا۔ اور ٹرین میں ایک دستہ کے زیر حراست اُسے سیبی علاقہ بلوچستان میں بھیجدیا۔ وہاں حکام نے سوچا کہ یہاں عموماً لوگ سیر و سیاحت کی غرض سے آتے ہیں راز کھُل جانے کا اندیشہ ہے۔ نیز یہاں ہر روز چاروں طرف باغی سازشیں کرتے ہیں اور رعایا کو اور پولیس کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتے ایسا نہ ہو کہ اُن کو اِس باغی سرغنہ کا حال معلوم ہو جائے اور اُسے اڑا کر اپنے گروہ میں لے جائیں۔ اِس لئے وہاں کے حکام نے پریم کو ایک بلوچ قافلہ کے ساتھ ایک دستہ فوج کے زیر حراست مُلک وزداب میں بھیجدیا۔ وزداب میں کوئی خاص قید خانہ یا جیل مقرر نہیں تھا۔ تاہم اُس کے کوہ بیابان ہی جیل سے زیادہ خطرناک ہیں جہاں سو سو میل تک انسانی آبادی کا نام و نشان

نہیں ملتا۔ چاروں طرف چٹیل میدان یا ریت کے تودے نظر آتے ہیں
دن کے وقت دھوپ سے اِس قدر تپش ہوتی ہے۔ کہ پرندہ پر نہیں مار سکتا
لہٰذا وہاں سے قیدی کا اپنی حینِ حیات میں بچ نکلنا ایک امرِ محال ہے۔
اس میں انسان قید ہو کر اپنی عمر میں رہائی کی توقع نہیں کر سکتا۔ اُن ایام میں
جب وہ اوپر بھیجا گیا ایک عجیب قدرتی رنگ کھلا ہُوا تھا۔ ایرانی حسُن و
شباب کی بجلی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر دیتی تھی۔ حسینانِ دزداب پشتو
میں قافلے والوں کے نزدیک آکر دل خوش کُن نغمے سناتیں اور اپنے گلابی
رُخسار چمکا چمکا کر نہایت عجز و انکسار سے استفسار کرتیں کہ ہم کچھ تمہارے
کھانے کو لائیں کچھ کھاؤ گے یا نہیں۔ قافلے والے سپاہی خفارت سے منہ
پھیر لیتے۔ ایسی حُسین اور خوبصورت عورتیں اُن کے دلوں میں رحم اور کرم
کا جذبہ نہ اُٹھا سکیں۔ شاید وہ اس لئے اُن سے متنفر تھے کہ وہ بے حیا اور
عصمت فروش عورتیں تھیں لیکن ایک بڑی وجہ اور معلوم ہوتی تھی۔ جو
اُنہیں ایسے سلوک پر مجبور کرتی تھی۔ کیونکہ اُنہیں چلتے وقت متنبہ کیا
گیا تھا کہ جو قیدی تمہاری زیر حراست بھیجا جاتا ہے۔ یہ اتنا خوفناک اور
متفنی شخص ہے کہ اگر ایک دفعہ آزاد ہو گیا تو اِس کا گرفتار کرنا تمہارے
اختیار سے باہر ہو جائیگا۔ لہٰذا وہ ہر طرح محتاط اور چوکنے رہتے تھے۔
سارے راستہ میں انہوں نے ایک رات بھی آرام کی نیند نہ لی۔ ہر
ایک اُس کی نوعیت سے بالا خواب دیکھ کر خائف رہنا اور اپنی احتیاط
سے زیادہ جبر اور سختی سے کام لینا۔

وزداب کے مشرق میں ایک سفید رنگ کی پہاڑی کے دامن میں
چشمہ کے نزدیک جو آبِ شیریں کے نام سے موسوم ہے انہوں نے اپنے
ڈیرے خیمے لگا دیئے اور بڑی مستعدی سے دن رات پہرہ دینے لگے
پریم بھی کوئی معمولی جرائم پیشہ نہیں تھا۔ وہ اُن پہرہ داروں کو دیکھ کر اول اول
تو خائف ہوا تھا۔ لیکن جب اپنی قسمت اور زندگی سے مایوس ہو گیا
تو اُس نے اپنے دل میں فیصلہ کیا کہ جس طرح مقدر میں لکھا ہے ہو گا۔ رونے
اور چلّانے سے کچھ ہو نہیں سکتا۔ آئندہ خاموشی اور نفرت سے کام نہ
لونگا۔ بلکہ اپنے دل سے اُن خیالات کو محو کر دونگا جن کو قدرت نے
زبردستی مجھ سے جدا کر دیا ہے۔ اور موت جیسی جدائی اور رقیبِ نصیب کی ہے
یہ خیالات جو پریم کے دل میں ایک ماہ کے بعد پیدا ہوئے وہ زمانہ تھا۔
جب کہ چندرہ اُس کی والدہ کو اپنے مکان میں لے آئی تھی۔
پریم نے دل میں ان خیالات کے پیدا ہوتے ہی اُن وحشی لوگوں کو
اپنے حسن سلوک سے اپنے اوپر مائل کرنا چاہا۔ مگر وہ ایسے سیاہ قلب انسان
واقع ہوئے تھے کہ اُس کی کسی حرکت کو سازش سے پاک تصوّر نہ کرتے
تھے۔ ان حالات سے قریباً تین ماہ کے بعد ایک دن جبکہ وہ اپنے حوصلہ
پر قائم اور امنگ میں نغمۂ حسرت گا رہا تھا ایک سپاہی نے جو کہ اُس سے
دوسروں کی نسبت نیک سلوک روا رکھتا تھا قریب آ کر پوچھا۔ "اے
قیدی تو کیسے گرفتار ہوا؟"
پریم نے ہنس کر جواب دیا۔ "میں کیا جانوں خدا جانتا ہے"۔

سپاہی نے کہا "خدا جانتا ہے۔ کوئی قتل ۔ سازش ۔ چوری کچھ نہ کچھ واردات تو کی ہوگی ۔ یونہی فرنگی کا سر تو نہیں پھرا جو تم جیسے خوبصورت نوجوان کو گرفتار کر لیا"۔

پریم سنجیدگی سے مسکرا کر بولا "بھائی جب مقدر بگڑتا ہے ۔ تو سب دوست دشمن بن جاتے ہیں ۔ کسی انسان پر شکوہ نہیں رہتا ۔ صرف اپنی قسمت کا گلہ ہے ۔ جس نے مجھے آپ جیسے مہربانوں کی صورت دکھائی اور سچا کچا کھانا کھانے پر مجبور کر دیا"۔

پٹھان بھویں چڑھا کر بولا "ہم تو تم کو اچھی سے اچھی روٹی دیتا ہے ۔ ورنہ جیل میں تو آدھا آٹا آدھی مٹی ملتی ہے ۔ اگر تجھے جیل میں جانا ہوتا تو قدر عافیت معلوم ہوتا"۔

پریم رُخ بدل کر بولا "بینکا یہ پہاڑ بہت خوبصورت ہے ۔ دل چاہتا ہے اِس کی چوٹی پر چڑھوں"۔

بینکا کچھ سمجھدار تھا ۔ اُس کے ایسا کہنے سے مطلب سمجھ گیا ۔ سنجیدگی سے بولا "چلو لے چلیں"۔

"کیا لے چلو گے"؟

"ہاں"۔

"تمہارے ساتھی تو ناراض نہ ہونگے"؟

"بلکہ خوش ہونگے"۔

پریم حیرانی سے دیکھ کر بولا ۔ کیوں ؟"

"اس لئے کہ اپنے عیال میں جانا نصیب ہوگا"۔

پریم اُس کی ذہانت کی تعریف کرنے لگا۔ فی الحقیقت پریم کا مطلب ایسا ہی تھا۔ کہ چوٹی پر جا کر اپنے آپ کو گرا دوں اور ایسی زندگی سے مخلصی حاصل کروں۔

پریم اُس سے محبت کا اظہار کرنے لگا۔ تین چار دن کے بعد وہ پھر پریم کے پاس آ بیٹھا تو پریم نے کہا۔

"بینکا تم بڑے گندے ہو"۔

"کیسے"؟

"سارا سارا دن جوئیں مارتے رہتے ہو"۔

بینکا نے کہا "اور کیا آدمی ماریں؟"

"آدمیوں کو بھی تو تمہارے بھائی بند ہی مارتے ہیں"۔

"جو آدمیوں کو مارتے ہیں ایک طرح تو اچھا ہی کرتے ہیں۔ کوئی غلام قلاش یا عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔ اُس کو مار دینا ثواب کا کام ہے آج اگر ہم کو ہتھیار چلانے کی اجازت مل جائے تو ہم سب سے پہلے تم کو اس مصیبت سے آزاد کر دیں"۔

پریم مسکرا کر بولا "کیا مجھے مار دیں"؟

"ہاں۔ ایسی زندگی سے تو موت ہزار درجہ بہتر ہے"۔

پریم اُس کی غیر تصنع باتوں سے بہت محظوظ ہوا۔

ایک دن جب بینکا اُس کے سامنے بیٹھا آٹا گوندھ رہا تھا پریم نے کہا

ہمارے وطن میں اس طرح عورتیں آٹا گوندھتی ہیں"۔

بینکا غصّہ سے دیکھ کر بولا "اور جس طرح تم قید ہو اس طرح ہمارے ہاں نامرد آدمی قید ہوتے ہیں"۔

پریم شرمندہ ہو کر بولا "کیا کروں۔ دل تو نہیں چاہتا۔ کہ تمہاری قید میں سڑتا رہوں"۔

"پگلہ۔ تم خود سڑتا ہے۔ ہم نے تم کو زنجیر تھوڑا ڈالا ہے جب دل میں آئے چلے جاؤ"۔

پریم اس طرح کی بیباکانہ گفتگو سن کر متحیر ہوا۔ اس کی دانست میں بینکا اس کو نیک راستہ پر ڈال رہا تھا۔ اور بینکا کا سلوک کسی بدظنی کا مستحق نہ تھا"۔

پریم نے ایک دفعہ رات کے وقت بینکا کے پہرہ میں کہا "بینکا آج تمہارا پہرہ ہے بھاگنے کی اجازت دیتے ہو؟"

بینکا خوشی سے بولا "اچھا ٹھیرو"۔

یہ کہکر اس نے تلوار سے اس کے پاؤں کی رسّی کاٹ دی۔ اور کہا "دیکھو جب یہ بیدار ہونگے مجھے قتل کر دینگے اس لئے تم مجھے اپنے ہاتھ سے قتل کر دو۔ اور بھاگ جاؤ"۔

پریم بینکا کی بات سن کر حیران ہوا اور اس کی آنکھوں میں وہ وحشی انسان ایک عظیم دل گردے کا مالک نظر آنے لگا۔ جس کا پورا حال ادا کرنا حاطہ قلم سے باہر ہے۔

پریم اُسی طرح بیٹھ کر مایوس ہو گیا اور بینکا کی طرف نرمی سے دیکھنے لگا۔ بینکا طیش اور غضب سے آگے بڑھا۔ قریب تھا کہ ایک ہی وار سے اُس کا کام تمام کر دے۔ معاً رُک گیا اور بولا۔

"سؤر! نہ خود زندہ رہنا چاہتا ہے اور نہ دوسرے کو جینے دیتا ہے۔"

پریم اُس کی حالت سے متاثر ہوا اور اُسے دیوانہ مطلق سمجھنے لگا۔ آئندہ اُس نے اُسے منہ لگانا ترک کر دیا۔

ایک دن جب بینکا آٹا گوندھ رہا تھا اتفاق سے پانی کا برتن اُلٹ گیا اور پانی نزدیک نہیں تھا اور آٹا قدرے سخت تھا۔ بینکا نے ہاتھو کر کے چار پانچ تھوک آٹے میں گرائے اور آٹا گوندھنے لگا۔ پریم کا دل بڑا ہچکیایا دل میں کہا یہ لوگ کتنے وحشی ہیں۔ چنانچہ اُس دن سے پریم کے دل میں اُن کی طرف سے سخت نفرت پیدا ہو گئی۔ اُس نے اُس دن روٹی نہ کھائی بعد ازاں جب تک اُسے پوری تسلی نہ ہو جاتی کہ یہ آٹا خالص پانی سے گوندھا گیا ہے۔ وہ روٹی نہ کھاتا۔

اسی قسم کے مشغلے تھے جو پریم کو ہر روز پیش آتے۔ جتنا وہ دل کو جبر اور ضبط کی تلقین کرتا اتنا ہی دل بے بس اور مضطرب رہتا۔ اکثر خواب میں بھی کانپ اٹھتا تھا۔ کہ کیا ہونے والا ہے۔ موت تو آتی دکھائی نہیں دیتی۔ زندہ بھی نہیں رہ سکتا۔ گرمیاں گذر گئیں۔ سردیاں شروع ہوئیں۔ وہ بھی گذر گئیں پھر گرمیوں کا دور شروع ہوا۔ تمازتِ آفتاب سے پہاڑ سیاہ ہونے لگے اُس کا دل جلتا کڑھتا۔ یہاں تک کہ اُس کے بدن میں خون کا قطرہ تک نہ رہا

ایک مرض لاحق ہوا جو بیٹھا بیٹھا کانپ جاتا۔ تمام بدن پر ہڈیاں نکل آئیں۔ آنکھیں جھلس گئیں۔ قوت سلب ہو گئی۔ ناطاقتی نے آگھیرا۔ چہرے پر مُردنی چھا گئی۔ گھنٹوں ایک ہی حالت میں بیہوش پڑا رہتا۔ ایک دن جبکہ وہ بیہوش تھا حرکتِ قلب بند تھی۔ پٹھانوں نے سمجھا مر گیا ہے اُسے اُٹھا کر میدان میں لے آئے۔ دو پٹھانوں نے گینتی سے قبر کھودی۔ اور ایک پٹھان نے کفن کے طور پر اپنا تہ بند دیا۔ جب اُسے قبر میں اُتارنے لگے تو اُس نے کروٹ لی۔ کیونکہ اُسے سورج میں پڑے خاصہ وقت گذر چکا تھا۔ وہ جنگلی درندوں کی طرح کھلکھلا کر ہنس پڑے ٭

باب چھٹا

اُنہیں ایام کا ذکر ہے کہ ایک بہت بڑا رسالہ سرحد کی حفاظت کے واسطے اُدھر آنکلا۔ اُس مقام کو شاداب اور خوشگوار دیکھ کر وہیں ڈیرے ڈال دیئے۔ جہاں پریم کے محافظ اقامت گزین تھے۔ محافظ دل میں قدرے خائف ہوئے مبادا کوئی محشر بپا کریں یا اپنی جہالت کا ثبوت دیں جس سے ہم کو رسوائی نصیب ہو۔ اِس خیال سے اُنہوں نے آپس میں فیصلہ کیا۔ کہ اِس مقام سے ٹل جانا چاہیئے۔ کیونکہ حکام بالادست کا حکم تھا کہ قیدی کے حالات سے کسی کو واقف نہ ہونے دیا جائے۔ حتیٰ کہ

اس کا سایہ بھی کسی کو نظر نہ آ سکے۔ چنانچہ اُنہوں نے حکم کا پابند رہ کر وہاں سے اپنا ڈیرہ اُٹھا لیا۔ اگرچہ وہ مقام اُن کے لئے ہی نہیں بلکہ ہر ایک مسافر کے لئے جائے پناہ تھا مگر اُنہوں نے اس بات کی پرواہ نہ کی اور اُسی پہاڑی کے دامن میں دوسری طرف ڈیرے لگا دیئے۔

لیکن اُن کے یکا یک خوفزدہ ہو کر اُٹھ جانے سے رسالہ کے افسرانِ اعلیٰ کو شبہ ہُوا۔ اُنہوں نے سوچا یہ کوئی سازش نہ ہو۔ پولیس کی وردی میں اس طرح احتیاط سے جنگل میں رہنا کیا معنی رکھتا ہے۔ اس ذرا سے شبہ نے دل میں تقویت اختیار کی اور اُن کی روانگی کے وقت خیمہ سے باہر نکل کر اُن کے چہروں کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ ایک انسان جس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور مردہ انسانوں کی طرح زرد اور خوفناک ہو رہا تھا اونٹ پر سوار کیا گیا۔ اُس کی بدحالی دیکھ کر افسر مذکور کے دل پر سخت چوٹ لگی۔ دل میں جذبۂ ہمدردی لئے ہوئے آگے بڑھا۔ اور سرعت سے قدم اُٹھاتا ہوا اُن کے قریب پہنچا۔ قیدی کو غور سے دیکھا۔ ذرا آگے بڑھا اور سپاہیوں کے مشتبہ و خوفزدہ ہو جانے سے اُن کی طرف دیکھنے لگا قیدی نے بھی اُس کی طرف دیکھا اور ذرا سا چونک گیا۔ مگر اُسے خواب و خیال سمجھ کر نیم بیہوش ہو گیا۔ افسر مذکور پتھر کی طرح بے حس و حرکت کھڑا رہا قافلہ آہستہ آہستہ دُور نکل گیا۔ اور جب اُس کے دل میں ایک اور خیال نے چٹکی لی تو قافلہ اُس کی آنکھوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ اُس کے دل میں ایک خیال سرعت سے دوڑ گیا اور بیساختہ منہ سے نکل گیا "آہ یوسف"!

ہمارے ناظرین شاید اس افسر کو پہچانتے ہونگے۔ یہ وہی دولت رام ہے جو کہ دھوکا سے سردار کشن سنگھ کی طفیل فوج میں بھرتی کیا گیا تھا اور سخت مصیبتیں برداشت کرنے کے بعد اس عروج پر پہنچا تھا۔ آج وہ کس کشمکش و پیچ میں تھا یہ اُس کی روح جانتی ہے۔ وہ پریم کو اپنے صفحۂ دل سے محو کرنا چاہتا تھا مگر کوئی زبردست طاقت اُس کے دل کو یقین دلاتی تھی کہ تو پریم کو ایک بار پھر دیکھے گا۔ اور اُسے امداد دے گا لیکن اُس وقت جب کہ وہ پریم اور قافلے والوں کی طرف خیال کرتا حیران رہ جاتا وہ بیمار شخص پریم ہو سکتا ہے؟ نہیں کوئی اور بدقسمت ہوگا۔ اُس کے دل میں اُنہیں خیالات نے سخت گھبراہٹ پیدا کر دی جو اُسے ہمیشہ تسکین دیا کرتے تھے۔ اُس کے دل میں نامعلوم طور پر ہلچل سی مچ گئی۔ مگر وہ کیا کر سکتا ہے۔ کیا کرے گا۔ کیا کرنا چاہئے ممکن ہے وہ نہ ہو۔ آہ اُس کے دل میں اُمید کے سرچشمے سرور پیدا کرتے لیکن ناکامی کا دھوکا دل و دماغ کو جھلس دیتا۔ وہ نہیں ہے۔ وہ کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ مارا گیا ہے۔ وہ اتنی مدت تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ مگر اُس وقت تک جب تک اُس کے سامنے ایک انقلاب انگیز منظر نہ کھنچ گیا تب تک اپنے حالات سے بے بہرہ اور از خود رفتہ اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ معاً ایک خیال پیدا ہوا فوراً کیمپ میں واپس آیا۔ ایک پہرہ دار کو طلب کر کے اُس کے کان میں کچھ کہا۔ وہ جلدی سے اصطبل میں گیا اور باد رفتار گھوڑا لے کر اُس قافلے کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔

افسر مذکور بہت دیر تک طرح طرح کے خیالات میں غوطہ زن رہا آخر تاب ضبط باقی نہ رہی باہر نکلا اپنا گھوڑا طلب کیا اور اُسی طرف چل کھڑا ہُوا راستہ میں اُس کا سوار واپس آتا ملا۔

افسر نے گھبرا کر پوچھا۔ کہو ہا نہیں؟"

"میں اُن کی قیام گاہ دیکھ آیا ہوں"۔

"کسی نے دیکھا تو نہیں؟"

"کچھ کہہ نہیں سکتا"۔

"میرے ساتھ چلو۔ میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں"۔

"چلیئے"۔

دونوں ناہموار راستوں سے گذر کر صاف میدان میں آتر آئے دُور سے اُن کی قیام گاہ نظر آتی تھی۔ اُنہوں نے دیکھا وہ پھر اپنے سامان کو اونٹوں پر لاد رہے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا اُن کو اپنی بربادی کا پیغام مل چکا ہے۔ اور خوفزدہ ہو کر کسی محفوظ مقام پر پہنچا چاہتے ہیں۔

افسر کو رنج ہوا۔ آخر سوچ سمجھ کر بولا "تم یہیں کھڑے رہو جس وقت میں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھاؤں اپنے ہمراہ دس سوار لے کر فوراً پہنچ جانا لیکن پہلے جا کر دس آدمیوں کو تیار کر کے لے آؤ"۔

وہ سرپٹ گھوڑا دوڑا کر اپنے کیمپ کی طرف گیا اور تھوڑے عرصہ میں دس نوجوان مسلح اپنے ہمراہ لے آیا۔

"دیکھو یہ قافلے والے ڈاکو ہیں۔ میری تلوار چرانا چاہتے تھے"۔

ایک جوان نے کہا "حضور ہم کو ان بدمعاشوں پر پہلے ہی شبہ تھا"۔

"لیکن اب وہ ہم سے خوفزدہ ہیں ۔ پہلے میں جاتا ہوں ۔ اُن کو جا کر اس کی وجہ پوچھوں گا۔ اگر انہوں نے ٹیڑھا جواب دیا تو سب کو قید کر لیا جائیگا۔

" ہاں حضور کوارٹر گارڈ میں وید یں گے "۔

"تم ہوشیار رہنا اور میرے اشارہ کرتے ہی فوراً پہنچ جانا "۔

" بہت بہتر حضور "۔

افسر اپنے آدمیوں کو سمجھا کر اُن کی طرف روانہ ہوا ۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ اُن کے قریب جا پہنچا اور مشتبہ نگاہوں سے اُن سب کو دیکھ کر قیدی کو مخاطب کیا " تم کون ہو ؟ "

قیدی نے مردہ آواز میں کہا " میں قیدی ہوں "۔

" وہی ۔ وہی ۔ بدقسمت پریم "۔

معلوم ہوتا ہے قیدی نے بھی اُسے پہچان لیا اور اپنے محافظوں کی طرف دیکھا ۔ سپاہیوں نے فوراً نگاہیں ملائیں ۔ اور افسر رسالہ کو گھورنے لگے ۔ دولت رام نے حوالدار پولیس سے جو ڈیل ڈول میں بھی مضبوط تھا اپنی طرف مخاطب کیا اور نزدیک آنے کا حکم دیا ۔

وہ سہم کر دہیں سے بولا ۔ میں سنتا ہوں تم بولو کیا کہتے ہو "۔

دولت رام نے سنجیدگی سے کہا ۔ دوست اِدھر آجاؤ ۔ میں تم کو کھا نہیں جاؤنگا "۔

وہ ظاہری استقلال سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھکر بولا " تم دال خور

ہم کو کیا کھائیگا۔ ہم پٹھان ہے کچھ اور نہ سمجھ بیٹھنا"۔

دولت رام قدرے مسکراہٹ نمودار کرتے ہوئے بولا۔ اچھا تم گوشت خور مت آؤ۔ دال خور ہی آتا ہے۔ گھوڑا اُن کے درمیان لے جا کر بولا۔

میں تم سے پوچھتا ہوں "تم اُدھر سے کیوں چلے آئے ؟"

"ہم کو انگریز کا حکم ہے کہ ایک جگہ مت رہو۔ چلتے پھرتے رہو۔ ہمارا خاص مقام کہیں نہیں"۔

"تم خانہ بدوش تو نہیں جو یوں پھر رہے ہو"۔

"ہاں ہم خانہ بدوشوں کی محافظت کے لئے مقرر ہیں۔ اگرچہ ہمارے گھر دور دراز شہروں میں ہیں"۔

دولت رام کچھ سوچ کر بولا۔ تم کو معلوم ہے میں کون ہوں اگر تم میں کوئی انگریزی جانتا ہے تو اپنے افسر کا حکم ملاحظہ کرے۔ ہم تمہاری حفاظت کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ یہ دیکھو۔

اِس کے ساتھ ہی اُس نے ایک کاپی اپنی جیب سے نکال کر اُنکے روبرو پیش کی۔ وہ سب مبتِ حیرت بنے تھے اور ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے سب نے اس بات پر یقین کرتے ہوئے باہم پشتو میں بات چیت کی۔ اُن کی توجہ دوسری طرف مبذول دیکھ کر دولت رام نے رحیم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُس کی حالت پر افسوس کیا۔ اور یکایک اُمید افزا جھلک رونما کر کے آہستہ سے کہا۔ "دولت رام تمہاری آزادی کی خاطر سب کچھ قربان کر دے گا"۔

پریم کے پژمردہ رُخسارے چمک آئے۔ اور ایک جلال تصوّر آزادی سے چہرے پر نمودار ہوا۔ دولت رام نے اُن جہالت کے پُتلے پٹھانوں کی گفتگو سُنی نتیجہ حسبِ خواہش تھا۔ فوراً دل میں مسرور ہو کر بولا "پریم کدھر سے آئے تھے تاکہ میں جواب صحیح صحیح دے سکوں۔ پریم نے مختصراً بمبئی وغیرہ جیلوں کے حالات بیان کر دیئے۔ دولت رام دل میں نہایت مسرور رہوا۔

پولیس افسر نے دولت رام سے مخاطب ہو کر کہا "کیا تم کو ایجنٹ صاحب نے بھیجا ہے"

"نہیں۔ ہم کو جرنیل صاحب نے بھیجا ہے۔ کہ اُس بدمعاش قیدی کو کسی محفوظ جگہ پر رکھیں اور اگر ضرورت پڑے تو تمہیں امداد دیں"۔

"بس بس ہم چلنے کو تیار ہے۔ انگریز بہادر بڑا دُور اندیش ہے"۔

اتنا کہہ کر وہ سب دولت رام کے ساتھ چلے آئے۔ اور اُن کے کیمپ کے قریب ڈیرے ڈال دیئے۔ جب اُنہیں سب طرح اطمینان ہو گیا۔ تو حوالدار پولیس نے دولت رام سے کہا "قیدی کی نسبت انگریز بہادر نے ہم کو سخت دہشت زدہ کیا تھا۔ مگر یہ ایسا شریف ہے کہ سر تک نہیں اُٹھاتا"۔

دولت رام نے بظاہر حقارت سے کہا "اِس سے ہم کو کیا ہمارا فرض پہرہ دینا ہے"۔

"ہاں ہم تو یہ ہی کرتا ہے۔ رحم کرنے سے ہم کو کیا مِل سکتا ہے۔ دو چار دفعہ ہم نے اِس کا شرافت دیکھا ہے۔ ہم سب سو گئے اور یہ بھاگا نہیں۔

ہم تو اُس دن سے اِس کا دل سے قدر کرتا ہے"۔

دولت رام مسکرا کر بولا" مرجائیگا ۔ اِس کا سب ساتھی مرگیا ہے"۔

" کیا یہ بہت بدمعاش ہے ۔ آپ کو تو معلوم ہوگا"۔

" ہم نے لورالائی میں سُنا تھا ۔ اِس کا ساتھی اِس کی تلاش میں پھر رہا ہے اور ہر جگہ وہ پھیل چکا ہے ۔ سب کو انگریزوں نے پکڑ کر پھانسی دے دیا ہے ۔ دو چار فرار ہے وہ بھی پکڑا جائیگا"۔

" شاید اسی وجہ سے تم کو ہماری حفاظت کے واسطے بھیجا ہے"۔

" ہاں بات تو ایسی ہی معلوم ہوتی ہے"۔

وہ سارا دن اِدھر اُدھر کی بات چیت میں گذر گیا ۔ دوسرے دن دولت رام نے اپنے ہمراز جوانوں کو کیمپ میں بلایا ۔ اور اُن سے چند منٹ تک مشورہ کرتا رہا ۔ وہ جب کیمپ سے باہر نکلے تو بڑے خوش نظر آتے تھے سہ پہر کے وقت دو پٹھان پانی لینے گئے تھے ۔ دو دیہات میں سودا خریدنے ۔ پانچ نماز پڑھ رہے تھے اور تین پہرہ دے رہے تھے ۔ اِس طرح پہرہ داروں کو پراگندہ دیکھ کر دولت رام نے کچھ اور ارادہ کیا ۔ مگر دل نے مخالفت کی ۔ اِسی ادھیڑ بن میں تھا کہ سامنے سے ایک موٹر لاری دیہات کی سڑک پر آتی دکھائی دی ۔ اُس میں تین آدمی سوار تھے ۔ دو آگے اور ایک پیچھے ۔ دولت رام نے اُن آدمیوں کو دیکھنے کا ارادہ کیا ۔ اور گھوڑا لے کر اُس جانب روانہ ہوگیا ۔

موٹر لاری ایک جھونپڑے کے آگے جا کر رُکی ۔ دولت رام نے اُس

شخص کے موٹر سے اُترتے ہی خندہ پیشانی سے پوچھا۔

"صاحب آپ سبی سے آرہے ہیں؟"

وہ پٹھان سنجیدگی سے بولا "ہاں جناب کہئے کیا ارشاد ہے؟"

"ہم سبی کے لوگوں کی انتظار میں غلطان رہتے ہیں۔ وہاں کا کیا حال ہے۔ ہم کو وہاں سے آئے عرصہ ہوگیا ہے۔ اس ریگستان میں زیادہ دیر ٹھیرنا مضر ہوگیا ہے۔"

مسکراکر "آپ تو بڑے اداس معلوم ہوتے ہیں۔ کہئے یہاں کس مہم پر آئے ہوئے ہیں؟"

"کیا کہیں ہماری نوکری ہی اس قسم کی ہے۔ جہاں سرکار چاہتی ہے بھیج دیتی ہے۔ دو سال سے ایک آدمی کو حراست میں لئے پڑے ہیں۔ نام سول کا اور انجام ملٹری کا محکمہ دیتا ہے۔ کہئے آپ کا دولت خانہ کہاں ہے؟"

وہ شخص دولت رام کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔ گویا وہ آدمی اُس کی نگاہوں میں مشتبہ تھا۔ اگرچہ اُس وقت اُس کی گفتگو سے اوچھا پن پایا جاتا تھا۔

جناب میرا غریب خانہ قلات میں ہے۔ میں وہاں خان قلات کے گھوڑوں کا ڈاکٹر ہوں۔ آج کل انگریزوں کو وفادار پٹھانوں کی ضرورت ہے۔ اور میں نے خان کی نوکری چھوڑدی ہے۔ اور آج کل سبی اسٹیشن پر حوالداری کے عہدے پر مامور ہوں"۔

مسکرا کر "ڈاکٹر سے پولیس والے بن گئے"۔

"ہاں ۔ اِس محکمہ میں بہتری نظر آتی تھی ۔ نیز دوست مجبور کرتے تھے

کہ میرے جیسا دانا آدمی پولیس میں بہت کچھ ترقی کر سکتا ہے ۔

دولت رام اُس کی خود ستائی پر دل میں مسکرایا مگر بظاہر مسرت کا اظہار کرتا

ہوا بولا "۔ ہاں آپ جیسا عقلمند انسان جو حیوانوں کا ڈاکٹر رہ چکا ہے ۔ وہ انسانی

قالب چیر پھاڑ کرنے میں بڑا نائک ہو سکتا ہے ۔ یا کم از کم اُن کے چہروں

سے علامت نیک و بد تو فوراً پہچان سکتا ہے "۔

مسکرا کر ۔ آپ تو کوئی زندہ دل انسان معلوم ہوتے ہیں ۔ میں آپ سے

مِل کر بہت خوش ہوا ہوں "۔

دولت رام نے جلدی سے کہا " اور علیٰ ہذا القیاس میں بھی آپ سے

مِل کر بڑا محفوظ ہوا ہوں ۔ میں ہر روز دیہات میں آتا جاتا ہوں ۔ لیکن کوئی

آدمی مجھے ایسا نہیں مِلا ۔ جو آپ کی طرح بشاش ۔ نیک اور خوش خلق ہو ۔

فی الحقیقت مجھے آپ سے مِل کر بڑی خوشی ہوئی ہے ۔ کیونکہ انسان کو اپنے

وطن سے زیادہ کہیں خوشی نہیں ملتی "۔

"بیشک وطن کی یاد ہموطن سے مِل کر نصف رہ جاتی ہے ۔ سب کی یہی

حالت ہے ۔ کہئے آپ کس جگہ اقامت گزیں ہیں ۔ تاکہ میں واپسی پر آپ

سے مِل کر جاؤں "۔

"کیا آپ بہت جلدی واپس چلے جائینگے ؟"

"ہاں آج شام کو ہی "۔

دولت رام قدرے استعجاب سے بولا "اتنی جلدی کی کوئی خاص وجہ ہو گی ؟"

آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آہستگی سے "ہاں بہت جلدی ہے۔ واپسی کے وقت ضرور ملیں۔ آپ اب کس طرف جائینگے" ؟

میں جن کو ملنا چاہتا ہوں اُنکی قیام گاہ مجھ سے پوشیدہ ہے۔ اِدھر دیہات میں جا کر کسی دوکاندار سے معلوم ہو جائیگا۔ میرے محکمہ کے ۱۲ ۱۳ آدمی ہیں"۔

"پولیس کے"۔

"ہاں"۔

دولت رام چونک کر بولا "جن کی زیر حراست ایک قیدی ہے" ؟

"ہاں"۔

"کیا آپ اُس کو لینے آئے ہیں ؟

مسکرا کر "میں کیوں لینے آؤں گا۔ عزرائیل لینے آئیگا جس کے نام پروانہ جا چکا ہے"۔

"اور کیا خاص کام ہے۔ آپ مجھے بتائیں۔ میں کر آؤنگا۔ وہ لوگ میرے کیمپ کے قریب ہی فروکش ہیں"۔

خوشی سے "اچھا"۔

"جی ہاں"۔

دولت رام دل میں سوچنے لگا "شدنی کچھ اور کرایا چاہتی ہے۔ خیر

دیکھا جائیگا۔ آنے والا کوئی بڑا ہشیار اور خبردار معلوم نہیں ہوتا۔ ورنہ میری پہلی مبالغہ آمیز باتوں سے چونک جاتا یا کم از کم مجھے اِس طرح اپنے راز سے آگاہ نہ کر دیتا"۔ اور بظاہر دوستی سے بولا "تو آؤ لے چلیں۔ وہ دیکھو۔ سامنے پہاڑ کے دامن میں سب مقیم ہیں"۔

"اور تم کس قیدی کو لئے پھرتے ہو؟"

دولت رام کی عقل کے طوطے اُڑ گئے۔ وہ جس طرح اُسے جاہل اور بدّو سمجھتا تھا اُس کے برعکس نکلا۔ بات اُس کے دل میں کانٹے کی طرح بیٹھی تھی"۔

دولت رام لاپرواہی سے بولا "دو سال کا عرصہ ہُوا ہے۔ ہم سب لورالائی سے سبی جاتے تھے۔ راستہ میں ہم نے پہاڑوں کے دامن میں، ایک آدمی کو چھپے دیکھا۔ وہ اگرچہ جنگلی آدمیوں کی سی حالت میں تھا لیکن اُس کی آنکھیں اور بشرہ ظاہر کرتا تھا۔ کہ وہ معمولی لیاقت کا آدمی نہیں ہے چنانچہ ہم نے اپنے افسر کے حکم کے ماتحت اُس کا تعاقب کیا۔ اور بڑی محنت سے گرفتار کر لیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ آدمی روس کا باشندہ ہے۔ جو بہت سے کاغذات اور نقشے اپنے پاس رکھتا تھا۔ تلاشی لینے اور زود کوب کرنے سے سب راز معلوم ہو گیا۔ جس سے افسر نے اُسے ایک طویل عرصہ کی مہلت دی کہ وہ زندہ رہنا چاہتا ہے تو اپنے دیگر ساتھیوں کا بھی پتہ بتائے۔ ورنہ اُسے قید میں ہی مار دیا جائیگا۔ مگر وہ ایسا ضدی نکلا۔ کہ اُس نے سوائے اپنے کسی کے حالات کی مخبری نہیں کی حالانکہ اُس کے

کاغذات سے منکشف ہوتا تھا کہ اُس کے ساتھ اور بہت سے آدمی مُلک میں گھوم رہے ہیں۔"

"ہیں۔ آپ بھی اسی مرض کے شکار بن گئے ؟"

"کیا کریں۔ بھائی دو سال سے افسر کے حکم سے یہاں پڑے ہیں کوئی جواب تسلی بخش نہیں آتا۔"

"پڑے رہو۔ میری طرح کوئی سُر اُتارنے کا حکم لے کر آجائیگا۔ زیادہ سے زیادہ اور کتنا عرصہ قید رکھ سکو گے۔"

"ہاں اُمید تو ایسی ہی پڑتی ہے۔"

"کیا مجھے قیدی دکھاؤ گے ؟"

"کیوں نہیں۔ چلو پہلے چل کر آرام کرو۔ کھانا کھاؤ۔"

وہ دونو آپس میں دوستوں کی طرح باتیں کرتے ہوئے دولت رام کے کیمپ میں داخل ہوئے۔ دولت رام نے اُس کی بڑی خاطر مدارات کی۔ دولت رام نے کہا آپ کا وہ قیدی جس کی نسبت قتل کا حکم صادر ہوا ہے میں نے دیکھا تو نہیں البتہ سنا ہے کہ کسی انقلاب پسند گروہ کا سرغنہ ہے۔ جو انگریزوں کے خلاف جنگ کرنا چاہتے تھے۔ تو اُس کو کس طریقہ سے موت کے گھاٹ اُتارا جائیگا ؟"

"یہ بھی کوئی بڑی بات ہے۔ بنانا مشکل ہے لیکن بگاڑنا تو بڑا آسان ہے"

"دوست! میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی اپنے قیدی کو ہلاک کر کے کیوں نہ مخلصی حاصل کروں۔ کون دیکھتا ہے۔ دریافت کرنے پر کہدینگے

طبعی موت سے مرگیا تھا“۔

”یار تم سے بوئے وفا آرہی ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر تم مسلمان ہوتے اور ہم دونوں ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھاتے“۔

”اوہو۔ یہی بات ہے۔ میں باوجود ہندو ہونے کے مسلمانی اعتقاد رکھتا ہوں۔ دیکھو تو سر سے پگڑی اتار کر) میں نے چوٹی بھی کٹوادی ہوئی ہے“۔

خوش ہو کر ”آدھے مسلمان تو ہو گئے ہو۔ اگر نماز پڑھو تو پاک ہو جاؤ۔ بہشت میں جاؤ“۔

”یار۔ اگر کوئی لائق مرشد مل گیا تو ضرور مسلمان ہو جاؤنگا۔ میرا دل سخت بیتاب ہے۔“

”ہاں ہاں ضرور مسلمان ہو جاؤ۔ اور میرے ساتھ میرے علاقے میں چلو۔ وہاں میرے بھائی بند اور رشتہ دار تیری بڑی خاطر کرینگے۔ کیونکہ وہ نومسلم کی بڑی خدمت کرتے ہیں۔ جب تمہارے ارادے سے آگاہ ہونگے تم کو سر پر اٹھالیں گے“۔

باب ساتواں

دولت رام دو منٹ کے لئے خیمہ سے باہر گیا اور نہایت احتیاط سے ایک پہرہ دار کے کان میں کچھ کہا۔ پہرہ دار بھاگا ہوا اپنے ساتھیوں کے پاس گیا۔ اور اپنے افسر کے حکم سے سب کو آگاہ کر کے واپس ڈیوٹی پر آگیا۔ چند منٹ کے بعد ایک بِگل کی آواز سنائی دی جس سے دولت رام نے مسرور ہو کر نئے دوست کو کہا۔

"پہلے آپ ہمارے قیدی کو دیکھیں گے یا اپنے آدمیوں کے پاس جائینگے"؟

"جیسا آپ ارشاد فرمائیں۔ میرا دل تو چاہتا ہے کہ جہاں تک جلد ممکن ہو دونو کو ٹھکانے لگا کر واپس چلیں۔ راستہ میں اطمینان سے باتیں کرینگے"۔

جس طرح آپ فرمائیں۔ اُسی طرح کیا جائے گا۔ اگر آپ کا بہت جلد واپس جانے کا ارادہ ہے تو میں اپنے آدمی کو حکم دے دیتا ہوں۔ تاکہ پہرہ داروں کو اُس کے مارنے کا حکم دے آئے۔ اور آپ اپنے سپاہیوں کو مل کر اپنا کام انجام دیں"۔

"بہتر میں بھی اُن کو سمجھا بجھا کر جلدی ہی واپس آجاتا ہوں۔ پھر

واپس چلنے کی تیاری کرینگے"۔

"بہت بہتر"۔

دولت رام چند قدم اُس کے ساتھ چل کر سلام کرکے واپس لوٹا اور اپنے خیمے کی آڑ میں کھڑا ہو کر دیکھنے لگا۔ اُس کے آدمیوں نے جو سیستانی لباس میں ملبوس تھے اور پتھروں کے پیچھے کمین گاہ میں بیٹھے تھے اچانک نکل کر اُسے گرفتار کرلیا۔ منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ ہاتھ اور پاؤں رسّی سے کس دیئے۔ جب اچھی طرح اطمینان ہو گیا تو اُس نے اشارے سے اپنے آدمیوں کو کہا کہ اسے اپنے خیمہ میں لے جاؤ۔ اور خود پریم کے محافظوں کے پاس گیا جو پہاڑ کی آڑ میں گھاٹی کے دوسری طرف فروکش تھے۔ اور اُن سے باتیں کرنے لگا۔

پریم کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ دولت رام سے اپنی والدہ اور چندرہ کے متعلق حالات دریافت کرے لیکن دولت رام کی لاپرواہی اور موقعہ شناسی سے جرأت نہ کرسکا۔ البتہ اُس کے دل میں اُمید و بیم کی کشمکش شروع ہو گئی۔ انتقام کی کشش رہ رہ کر دل میں چٹکیاں لینے لگی اور وہ خاموش ہو گیا۔

دولت رام نے حوالدار کے پاس جا کر خلق سے سلام کرکے بلند آواز میں کہا "کیا بات ہے آج تم سب سوتے رہے"۔

"نہیں۔ کون کہتا ہے؟"

"ابھی تھوڑی دیر ہوئی ایک زبردست بھونچال آیا تھا تم کو پتہ ہے"۔

"نہیں ہم کو تو معلوم نہیں ہوا"۔

"واہ۔ تم بھی شرابیوں کی طرح مست پڑے رہتے ہو۔ ابھی ابھی بنگر بے ایک دوسرے سے ٹکرا گئے پرندے آسمان پر گرتے اڑتے چیخ اٹھے۔ دیکھتے نہیں ہو دیہات والے کس طرح شور و غل مچا رہے ہیں۔

تعجب سے "اچھا۔ ہم کو تو معلوم نہیں۔ ہم تو ابھی دیہات سے ہی آ رہے ہیں۔ راستہ میں ایک آدمی سے معلوم ہوا تھا سلیبی سے ایک افسر آیا ہے۔ ہم کو خیال تھا شاید ہمیں ملنے آیا ہے"۔

مسکرا کر "ہاں موٹر میں ایک افسر آیا تو تھا۔ مگر مجھ سے ملنے آیا تھا وہ مجھ کو پیغام دے کر چلا گیا ہے۔ آج ہی ہم آپ سے جدا ہو رہے ہیں"۔

"کیا کہا؟"

"ہم کو حکم آ گیا ہے فوراً واپس چلے آؤ"۔

"اور ہمارے لئے"؟

"تم یونہی پڑے رہو۔ کوئی اندیشہ کی بات نہیں ہے"۔

افسردہ آواز میں "افسوس سخت ہڈی کا قیدی مرتا بھی نہیں۔ کہ ہم اپنے وطن میں جا سکیں۔ اس اکیلے کے لئے اتنے آدمیوں کو ناحق تکلیف ہو رہی ہے"۔

پریم کو دولت رام نے پر معنی انداز میں دیکھا۔ جس سے وہ خاموش ہو کر لیٹ گیا۔ دولت رام حوالدار سے بظاہر خندہ پیشانی سے بولا۔ "اگر میں تمہارے فائدے کی بات کہوں تو مانو گے یا نہیں؟"

حوالدار نے جلدی سے کہا۔ "رسالدار! ہم تمہاری بات ضرور مان لیگا
ہم بہت اُداس ہے اور اپنے وطن کو جانا چاہتا ہے"۔

"تو ادھر آؤ تمہیں ایک بات بتاؤں"۔

حوالدار دولت رام کے نزدیک گیا۔ دولت رام نے آہستہ سے کہا
"اس کو زہر دے دو"۔

"زہر کہاں سے لائیں یہاں ملنا ناممکن ہے"۔

"میرے پاس ہے۔ اگر کچھ خرچ کرو"۔

"افسوس روپیہ ہمارے پاس ہے نہیں۔ البتہ اوپر چل کر کچھ دے
سکتا ہے"۔

اوپر ہی جا کر دے دینا۔ اس میں کونسی بڑی بات ہے۔ لیکن پچیس
روپے لوں گا"۔

"اوہو اتنا ہم نہیں دے سکتا"۔

"بہت نہیں۔ ۱۲ آدمی ہو۔ دو دو روپیہ دے دینا"۔

"ہاں۔ ایسا ہو سکتا ہے"۔

"میرے ساتھ آؤ جس طرح میں کہوں ویسے ہی استعمال کرنا"۔

"ایسا ہی کریگا"۔

روٹی میں ڈال کر دے دینا۔ اور خود کھانا کھانے کے بعد وہ آدمی بھول
سے کہ پیٹ کو اس کر اٹھا کر کھڑے ہو جا کر ڈال آئیں وہ زہر ایسا مہلک ہے
کہ اگر کھانے والے کے پاس ایک قطرہ تندرست انسان بھی تو مر جائے

بھی اثر ہو جاتا ہے"۔

"اوہو ایسا سخت زہر ہے"۔

"ہاں ۔ وہ زہر ایک خاص قسم کے سانپ میں ہوتا ہے ۔ ہم نے بہت مشکل سے حاصل کیا تھا"۔

"رسالدار ! ہم تمہارا بہت مشکور ہوگا ۔ ہم کو ضرور ایسی قید سے بچاؤ جو برائے نام آزادی ہے"۔

دولت رام نے اپنے خیمے میں جاکر اپنے ٹرنک سے ایک شیشی نکال کر حوالدار کو دی اور کہا احتیاط سے رکھنا ۔ دیکھنا اگر یہ زمین پر گر گئی تو سب لوگ مر جائینگے"

حوالدار دہشت زدہ آنکھوں سے دیکھ کر بولا"۔ اگر ہم بھی مر گیا تو ؟"

" نہیں مرتا تم آٹے میں گوندھ کر دیدو ۔ بس اتنی احتیاط کرنا کہ ایک تو تمہارے ہاتھ کو نہ لگے اور دوسرے باہر نہ گرے ۔ اور یہ صابن لے لو ۔ فوراً ہاتھ دھو لینا"۔

حوالدار کو دولت رام پر خواہ مخواہ اعتبار ہو گیا تھا ۔ اُس نے خیال کیا یہ شخص ہمارا بڑا خیر خواہ ہے ۔ ہم ضرور اس کے مشورہ سے فائدہ اٹھا ئیں گے ۔ چنانچہ اُس نے اس بات پر عمل کیا ۔ اور اپنے ساتھیوں کو اس معاملہ سے آگاہ کر کے دوائی بدنگا کے حوالے کر دی"۔

بدنگا فطرتاً نیک تھا ۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ پریم اس طرح کی موت مارا جائے لیکن اُسے اس بات سے بڑا قلق تھا ۔ کہ وہ غلامی اور قید کی زندگی میں

سٹر سٹر کر اپنی زندگی ختم کر دے - وہ چاہتا تو ہمیں ہلاک کر کے بھاگ جائے یا ہمارے ہاتھوں قتل کیا جائے - ایسی زندگی سے اُسے سخت نفرت تھی - لیکن جب اُسے علم ہوا کہ میرے ساتھی اِسے اِس طرح ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اُس نے پریم کے لئے نیک تجویز کی اور اُس دوائی کو جو درحقیقت تمباکو کی راکھ تھی آنکھ بچا کر دور فاصلہ پر پھینک دی - اور اپنے ساتھیوں پر ظاہر کر دیا کہ میں نے دوائی ڈال دی ہے -

پریم دولت رام کے اشاروں سے معاملہ سمجھ گیا تھا جب اُس نے روٹی کھالی تو کھاتے ہی لیٹ گیا - اور اِدھر اُدھر تڑپ کر بے چینی کے ساتھ کروٹیں بدلنے لگا - اُس کے محافظوں نے خوفزدہ ہو کر فوراً اُسے کپڑے میں لپیٹا - رسیوں سے جکڑا اور پہاڑ سے دھکیل دیا - چوٹیں اُسے آئیں تو ضرور مگر اُس نے پرواہ نہ کی کیونکہ دولت رام نے پہلے ہی اپنے آدمی مقرر کر دیئے تھے - اُنہوں نے اُسے ہاتھوں ہاتھ سمبھال لیا اور اُس کی جگہ ایک پیڑ کا موٹا تنہ دھکیل کر اُسے اُٹھا کر تیزی سے مقام محفوظ پر لے گئے - پٹھان جب اُس کو دھکیل چکے تو اُس کو پشتو میں گالیاں دیتے ہوئے واپس لوٹ آئے - ایک نے اُن میں سے راستہ میں کہا بھئی یہ کافر بڑا سخت جان تھا - اُس دن قبر پر جا کر جی اُٹھا - لیکن اب تو پہاڑی جانور اُسے کھا جائینگے "-

دولت رام کے آدمیوں نے پریم کو رسیوں سے کھولا اور دوسرے راستہ سے اُٹھا کر دولت رام کے پاس لے آئے - اُس نے سپاہیوں

کو حکم دیا کہ "پریم کو احتیاط سے دوسرے کمرے میں لے جاکر نہلاؤ اور حجامت بنوا کر اچھے کپڑے پہناؤ۔"

اپنے سپاہیوں کو ہر ایک بات اچھی طرح سمجھا کر دولت رام خود حوالدار کے پاس گیا اور پوچھا "کہو دوست فارغ ہو گئے ہو۔"

اُس نے دولت رام کا بڑا شکریہ ادا کیا اور پوچھا کہ اب ہم کیا کریں؟"

"تم رات رات ہی اونٹ لے کر چل دو۔ ہم صبح تمہیں گھوڑوں پر آملیں گے۔"

اگرچہ تجویز غلط تھی اور کند ذہن انسان بھی اس سے سازش کی بو پا سکتا تھا لیکن اُن وحشیوں نے ان باتوں پر سر تسلیم خم کیا اور کوچ میں ہی اپنی بہتری سمجھ کر اُسی وقت بوریا بستر لپیٹ کر چل کھڑے ہوئے۔

دولت رام کو اُن کے چلے جانے سے اگرچہ تسکین حاصل ہوئی لیکن پہرہ داروں کو بدستور مقرر رکھا اور منٹ منٹ کی خبر منگواتا رہا۔ اُس کے خیال میں یہ فعل سخت نازک تھا۔ جو اُس سے سرزد ہوا۔ اس کی وجہ ہمارے ناظرین یہ نہ سمجھیں کہ وہ بزدل تھا نہیں یہ غلط ہے بلکہ وہ بہادر تھا۔ لیکن ناتجربہ کار تھا۔ اُس نے زندگی بھر میں ایسا نازک فعل کبھی نہیں کیا تھا۔ وہ اِس واردات کو بڑی اہمیت دیتا تھا۔ جو اُس نے پریم جیسے معصوم کو اپنی آنکھوں کے سامنے قید ہوتے دیکھا تھا کشن سنگھ کا اُس کو دھوکا سے بھرتی کر لینا پریم کی رہائی کے لئے وسیلہ بن گیا۔ وہ محسوس کرتا تھا کہ میں نے بے عقلی کی ہے لیکن جرم نہیں کیا۔ اگر

اُس سے کوئی جرم ہو جاتا تو قدرت اُسے ہرگز چین سے بیٹھنے نہ دیتی لیکن وہ جانتا تھا کہ "پریم" بیگناہ قیدی" ہے۔ اِس کی رہائی کے لئے تن من اور دھن سے کوشش کرنا میرا اخلاقی فرض ہے۔اِس کے عوض میں جو ہوگا میں اپنی جان پر برداشت کرونگا۔ اتفاق سے اُس کے ماتحت مرہٹے جوان کام کر رہے تھے جو اپنے افسر کے پسینہ کی جگہ اپنا خون گرانے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔

باب آٹھواں

پریم کے مردہ ہونے میں شک نہ تھا۔ ناممکن بات ممکن ہو گئی۔ دولت رام مارے خوشی کے دیوانہ ہو گیا۔ ظالموں کے پنجہ ستم سے بچانے میں کامیاب ہو گیا۔ جاہل پٹھانوں کے چلے جانے کے بعد خاص کیمپ میں داخل ہوا دروازہ پر پردہ گرا دیا گیا۔ پہرہ داروں کو ہوشیار کر دیا گیا۔ اور جب ہر طرح خطرات سے مطمئن ہو گیا۔ تو سچی محبت سے آہ کھینچ کر پریم پر ایک نظر ڈالی پریم اپنے رفیقوں کے حالات سننے کے لئے بیتاب ہو رہا تھا دیکھتے ہی اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ دل کھول کر بغلگیر ہوا اور خوشی کے آنسو بہانے لگا۔

"پیارے دولت رام! کہو میری والدہ ... چندرہ ...

دولت رام اُس کی نیم مردہ صورت دیکھ بڑا متاثر ہوا۔ رقت کی وجہ

سے اُس کی آواز بند ہوگئی۔ اور بے اختیار آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں جاری ہوگئیں۔

پریم بھی آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ غشی طاری ہوگئی۔

دولت رام نے جب پریم کی یہ حالت دیکھی تو تمام رنج وغم بھولکر اُسکی بیہوشی دُور کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ کیونکہ بوجہ نقاہت اور کمزوری کے پریم کی حالت بڑی ردّی ہو رہی تھی۔

چند لمحہ خاموش رہنے کے بعد دل کو ضبط کی تلقین کرتے ہوئے رومال سے ہوا کرنے لگا۔ کہ یکایک اُس کو کچھ گھبراہٹ سی نمودار ہوئی وہ فوراً کیمپ سے باہر چلا گیا۔ مگر وہاں نہ ٹھہرا جلدی ہی واپس آکر رومال ہلانے لگا۔

پریم نے آنکھیں کھول دیں۔ گھبرائی ہوئی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا۔ اور ایک بجلی کی سی تیزی سے اُٹھ کر دوبارہ دولت رام کے گلے سے لپٹ کر دیوانہ وار رونے لگا۔

دولت رام طبعاً اُس سے زیادہ کمزور تھا برداشت نہ کرسکا فوراً متاثر ہوکر آہیں بھرنے لگا۔ چند منٹ تک دونوں کی یکساں حالت رہی۔ آخر ایک دوسرے کی گریہ زاری سے دونو متاثر ہوئے اور علیحدہ علیحدہ ہوکر خاموش بیٹھ گئے اور ایک دوسرے سے حالات سننے کیلئے بیتاب نظر آنے لگے

پریم نے اپنے سوال کو دوہرایا۔ دولت رام نے آہ کھینچ کر کہا۔

"پریم! ذرا صبر کرو۔ دل کو ٹھکانے ہو لینے دو۔ اِس وقت غمناک حالات سننے کے لئے بیتابی نہ کرو۔

پریم سمجھ گیا۔ دل ہلا دینے والی آہ کھینچ کر آسمان کی طرف دیکھا اور تڑپ کر بولا۔ "دولت رام بولو۔ کہو۔ مجھے اُن لاوارثوں کے حالات سے آگاہ کرو۔ ورنہ میرا روح قفس عنصری سے پرواز کر جائیگا"۔

دولت رام پریم پر برادرانہ شفقت کی نگاہ ڈال کر بولا "پیارے پریم صبر کرو۔ حوصلہ کرو۔ میرا دل خود بیچین ہے"۔

پریم چند لحظہ خاموشی کے بعد بولا "دولت رام! تم بولتے کیوں نہیں آہ تم شفاف چشمہ کی طرح میرے سامنے لہرا رہے ہو۔ میں پیاسا ہوں مجھے شدت تشنگی سے نہ مارو۔ مجھے اُن کے حالات سے آگاہ کرو"۔

دولت رام نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ پیارے پریم! تمہاری چندرہ زندہ ہے فکر نہ کرو۔!

"آہ... میری والدہ..."

دولت رام نے ہچکچا کر کہا "پریم! وہ تم جانتے ہو۔ بوڑھی تھی۔ اُس نے اپنی زندگی ختم کر..."

پریم کا دل بوسیدہ دیوار کی طرح گر گیا۔ اُس کو ماں کی نسبت پہلے ہی یقین تھا۔ کہ وہ اس صدمہ کو برداشت نہ کر سکے گی۔ اِس لئے اُس کے دل پر ایسا زبردست دھکا نہ لگا۔ تاہم ذہنی طور پر کتنا عرصہ اضطراب انگیز حالت میں رہا۔ ماں کا بھولا بھالا غمناک چہرہ رہ رہ کر اُس کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا۔ اُس کا دل دفورِ محبت سے اُچھل پڑا۔ اور آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری ہو گیا۔

دولت رام نے محبت سے دیکھ کر کہا "پریم صبر کرو۔ تم کو اب افسوس نہ کرنا چاہیئے۔ دُکھ کا زمانہ کٹ گیا ہے۔ اب سُکھ کا آفتاب طلوع ہو رہا ہے دل کو مضبوط کرو۔ تمہارے دل کے تاریک کونوں میں روشنی ہوا چاہتی ہے پریم کسی اور خیال میں محو تھا۔ وہ اُس کی کوئی بات نہ سُن سکا۔ دولتارم نے اُسے پیار سے دیکھ کر کہا "پریم جلدی جا کر اپنی فرشتہ سیرت چندرہ کو ملو۔ دیکھو میری ہدایت پر عمل کرنا"۔

پریم دیوانہ وار بولا "آہ چندرہ!"

"ہاں رنج و غم کی پتلی چندرہ"۔

"کیا تم نے چندرہ کو دیکھا ہے؟ بھائی مجھے مختصراً مگر جلدی جلدی کل داستان سناؤ۔ میری گرفتاری کے بعد اُن بیکس عورتوں کے ساتھ لوگوں نے اور پولیس نے کیسے برتاؤ کیئے؟"

دولت رام نے کہا "پریم! جب وقت تم گرفتار ہوئے تھے اُس وقت میں تمہارے بالکل قریب تھا۔ بلکہ تمہاری محبوبہ چندرہ کا نمک حرام ملازم رام دھن اور یار مار سردار کشن سنگھ وغیرہ بھی وہیں تھے"۔

"آہ۔ مجھے یاد ہے وہ اتفاق سے اسٹیشن پر ہی موجود تھے مگر دوست تم کیسے میرے پاس تھے جبکہ تم نے میری بیگناہی کا ثبوت بن کر کوئی آواز بلند نہ کی"۔

دولت رام نے کہا "برادرم تم حق بجانب ہو۔ لیکن مجھ پر شکوہ نہ کرو ہماری قسمت میں ہی ایسا بدھا تھا۔ ہم سب کی زندگیوں میں ایک انقلاب

آنا تھا سو آگیا اب اِن باتوں کو فسانہ کی طرح دماغ میں محفوظ رکھو۔ اور اپنے مستقبل کو خوشگوار بنانے کی کوشش کرو۔"

"اچھا اب تم یہ بتاؤ کہ تم کیسے اس عہدۂ جلیلہ پر ممتاز ہوئے۔ اور کیونکر یہاں تک پہنچے۔ جلدی سناؤ تاکہ میری گھبراہٹ میں اضافہ نہ ہو۔"

دولت رام نے کیمپ کے چاروں طرف غور سے دیکھا اور نہایت احتیاط سے دبی آواز میں کہنا شروع کیا "تم مجھے بزدل سمجھو یا بیوقوف۔ لیکن میں خود اس بات کا اعتراف کرتا ہوں۔ کہ میں نے اُسی وقت اس بات کا پتہ لگا لیا تھا کہ اس بات کا سرغنہ کون ہے۔ لیکن میں بوجہ کم استطاعت اور ناتجربہ کار ہونے کے نیز اپنے حالات کے زیر اثر کوئی کارگذاری نہ کرسکا۔ اگر اُس وقت میں ذرا دلیری سے کام لیتا تو یقیناً تم رہا ہو جاتے خیر اب اِن باتوں سے کیا حاصل۔ قصہ مختصر یوں ہے :-

میں نے درپردہ سردار کشن سنگھ سے ملاقات کی اور تمہاری رہائی کے لئے اُس کینہ ور شخص کو اکسایا لیکن اُس بدسیرت انسان نے بجائے مدد دینے کے زبانی بہت دلاسا دیا اور مجھ سے دھوکہ سے سرکاری فارم پر دستخط کرا کر وہاں سے اُٹھا کر اس سنگلاخ پہاڑ پر پھینک دیا۔ کیونکہ چند ہفتہ پیشتر اُس نے فوجی بھرتی کا ٹھیکہ لیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے دشمنوں اور کم حیثیت واقفوں کو دام تزویر میں پھنسا کر بھرتی کر لیتا تھا اور اُن کو بے آئی موت مارنے کی کوشش کرتا تھا۔ چنانچہ اُس نے میرے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا اور میں فوج میں بھرتی ہو کر لورالائی بھیجا گیا۔ اور

یہاں آئے ہوئے ابھی مجھے چند دن گذرے تھے کہ اچانک مجھے شدت کا بخار ہوا۔ نہ میں اُن لوگوں کی زبان سے واقف نہ کام سے اُن کی صحبت کا مجھ پر خاص اثر ہوا اور مجھے فوجی ہسپتال میں بھیجا گیا۔ میری غور و پرداخت جو ہونی تھی وہ مجھے معلوم تھا لیکن وہاں میری چند ایسے آشناؤں سے ملاقات ہوئی جو آیندہ زندگی کے رہبر بن گئے۔ اُنھوں نے مجھے فوجی زندگی اور بود و باش سے آگاہ کیا۔ ایک دن اُنہوں نے مجھے ایک کارآمد تجویز بتائی جس پر میں نے نفرت کا اظہار کیا لیکن صدہا خلقِ خدا اُس سے فائدہ اُٹھا رہی تھی یعنی جن لوگوں سے کام نہ ہو سکتا تھا وہ تھوڑا سا کاربالک صابن پانی میں حل کر کے حلق سے اُتار لیتے۔ جب دست جاری ہو جاتے ہسپتال میں آ کر مزے کی نیند سوتے۔

سینکڑوں انسان اسی قسم کے فریب سے آنند لے رہے تھے۔ میرا دل اُن کی اِس بے ایمانی سے سخت متنفر تھا۔ میں نے باوجود کمزور اور مریض ہونے کے ہسپتال میں ٹھیرنا پسند نہ کیا۔ عموماً اِدھر اُدھر جنگلوں میں پھرتا رہتا۔ میں ایک دن ذرا دور نکل گیا۔ اور ایک درخت کے سایہ میں کھڑے ہو کر اپنے حالات پر غور کرنے لگا۔ کہ یکایک پشت کی طرف سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ میں نے پھر کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ تین انگریز دو اور ہندوستانی جو رسالہ کے افسرانِ بالا تھے سرپٹ گھوڑے اُڑائے چلے آتے ہیں۔ میرے قریب آ کر دو انگریز ایک ہندوستانی یہ تینوں افسر بے اختیار گھوڑوں سے گر پڑے۔ چونکہ میں اُن کے آنے سے پیشتر

اُچھل کر درخت پر چڑھ گیا تھا اِس لئے سب حالات اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ کہ اتنے میں پچھلے دو سوار بھی آپہنچے۔ اور پہلے تین نیم بیہوش سواروں پر آگرے۔ دو منٹ کے پیچھے سے گرد اُڑتی نظر آئی۔ پھر گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیں۔ اور تھوڑی دیر میں ۲۵ سوار گھوڑے اُڑاتے آپہنچے۔ اُن دیوزاد انسانوں کو خشمگیں دیکھ کر میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ الغرض وہ چشم زدن میں اُن مردہ و زندہ افسروں کے سر پر آپہنچے اور نہایت بے رحمی سے تلواریں سونت کر ٹوٹ پڑے۔ پڑھنے والے کو ممکن ہے شک ہو۔ لیکن چشم دید واقعات پر شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ میں نے دیکھا وہ ہندوستانی نوجوان جو پہلے افسر دل پر آگرا تھا جو اُس کے ساتھی تھے۔ اور بوجہ پے در پے زخم کاری لگنے کے بیہوش ہو گئے تھے اُس نے بھی اُٹھ کر تلوار سونت لی۔ اور نہایت دلیری سے لوا۔ اگر بہادری اور مردانگی ہے تو ایک سے ایک اُوپر۔ اُن میں سے ایک آگے بڑھا جو افسر معلوم ہوتا تھا۔ ورنہ کہا منظور رہے۔ بس پھر کیا تھا۔ اُس نے ایک ایک کر کے بیس آدمی ہلاک کر دیئے میرے قلب مضطر میں ہلچل مچ گئی۔ درخت سے اُترا سینہ پھلا کر شیر کی طرح گرج کر آگے بڑھا۔ اُسی وقت وہ دلیر مرد جو زخموں سے چور ہو چکا تھا۔ بیہوش ہو کر پیچھے کو گر گیا۔ اُن باقی جو اِس باختہ پٹھانوں نے فوراً حملہ کر کے اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اِس فعل جاہلانہ کو جس میں بزدلی کوٹ کوٹ کر بھری تھی میں نے حقارت سے دیکھا۔ انگریز افسر کی تلوار پر

ہاتھ جمایا اور بڑی ہمت کر کے اُن پر حملہ آور ہوا وہ چونکہ میری موجودگی سے
ناواقف تھے اس لئے گھبرا گئے میں نے اُن کی گھبراہٹ سے فائدہ
اُٹھا کر اُن کو ہلاک کرنا شروع کر دیا۔ اور دو تین منٹ میں سب کا صفایا کر دیا
ایک پٹھان جو اُن سب کا افسر معلوم ہوتا تھا جو تلوار چلانے میں بڑا ماہر اور
بہادر تھا سنبھل کر مجھ پر وار کرنے لگا۔ میں چونکہ نیا بھرتی شدہ اور اس
کے سامنے طفل مکتب تھا بغلیں جھانکنے اور جھوٹ موٹ پینترے بدلنے
لگا۔ کیونکہ اُس کو غصہ میں دیکھ کر میرا جوش سرد ہو گیا تھا کہ اتنے میں ایک
بیہوش انگریز نے انگڑائی لی اور یکایک سنبھل کر اُس پر اپنی پستول کا فائر
کیا۔ اور اُسے وہیں ڈھیر کر دیا۔ اُس نے اپنے چاروں طرف نگاہ دوڑائی
دشمنوں کو مردہ دیکھا۔ پھر مجھ سے آنکھیں ملائیں اور خوشی سے اُٹھ بیٹھا
اُس کا خیال تھا کہ میں نے ہی اُن کو ہلاک کیا ہے مجھ سے میرا نام اور پتہ
دریافت کیا۔ میں نے اُردو زبان میں اپنی ساری داستان کہہ سنائی۔
غرض اُس نے مجھ پر اتنی مہربانی کی کہ مجھے اپنی کمین گاہ میں لے گیا اور
مجھے قلی کور سے نکلوا کر اپنے رسالہ میں لے لیا۔ اور نہایت شفقت سے
تلوار اور نیزہ چلانا سکھایا۔ جب میں اچھی طرح ماہر ہو گیا تو سفارش کر کے
رسالدار میجر کا عہدہ دلوایا جس کا میں اس معمولی ملازمت میں کسی
طرح بھی حق دار نہیں تھا۔

بابُ نواں

گو دولت رام کے حالات بڑے دلچسپ تھے مگر پریم کو ان سے ذرا بھی دلچسپی نہ ہوئی۔ وہ خاموش بُت بنا ہُوا سنتا رہا۔ اُس نے اگر پریم سے غیر معمولی ہمدردی کا سلوک نہ کیا ہوتا تو وہ بلاشبہ اُسے ٹوک دیتا۔ اور کھلے الفاظ میں کہتا کہ مجھے اپنی والدہ اور چندرہ کے حالات سُننے مقصود ہیں۔ میں اس وقت دیگر داستانیں سننے سے معذور ہوں۔ زہر کے گھونٹ کی طرح اس طول طویل داستان کو نگلتا رہا جب اُس نے اپنی بیتی قریب ختم کے بیان کر لی تو دلی جنبش کو یکایک ساکن کر کے کہنے لگا۔

"آہ دولت رام! میری ماں کا کیا بنا۔۔۔ ذرا تفصیل سے بیان کرو۔"

دولت رام نے نہایت رنجناک الفاظ میں شروع سے لے کر اُس وقت تک کے جوں کے توں حالات بیان کر دئیے جس وقت پریم کے بعد چندرہ کشن سنگھ سے ملاقی ہوئی اور بعد ازاں سازشی لوگوں کے نرغہ میں پھنس کر صاحب ڈپٹی کمشنر کے سامنے پیش کی گئی۔ کیونکہ یہ حالات پریم کے لئے کوہ غم سے کم نہ تھے۔ ایک ایک فقرے اور ایک ایک لفظ پر اُس کے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔ تاب برداشت نہ رہی

طاقت گویائی مفقود ہو چکی تھی۔ دل کی حرکت کبھی تیز اور کبھی غیر معمولی طور پر ساکن ہو جاتی تھی۔ آسمان کی طرف دیکھتا اور اشک بہاتا تھا دولت رام بھی کہتے کہتے تھک گیا تھا اُس نے بھی ذرا دیر کے لئے خاموشی اختیار کر لی۔ پریم پندرہ منٹ کی طویل بے حرکتی اور خاموشی کے بعد دولت رام کو غور سے دیکھنے لگا۔ اور چند لحظہ اسی طرح خاموشی سے دیکھنے کے بعد یکایک بول اُٹھا۔

"پھر کیا ہوا؟"

دولت رام نے گلا صاف کر کے کہا "اُسی دن جس دن چندرہ نے ڈپٹی کمشنر موصوف سے اپنی اور تمہاری بے گناہی کا ثبوت پیش کیا تھا اور اُسے تمہارے آزاد کرانے کے لئے آمادہ کر لیا تھا رات کے وقت دل کی حرکت بند ہو جانے کی وجہ سے انتقال کر گیا۔ اور وہ حالات جو چندرہ نے گورنمنٹ کے حق میں مفید بیان کئے تھے۔ جن کی طفیل تمہاری اور اُس کی آزادی عمل میں آنی ممکن تھی صاحب ممدوح ہمراہ قبر میں لے گئے۔ چندرہ چونکہ سازشی لوگوں کے گروہ کے ہمراہ گرفتار کی گئی تھی باوجود سخت کوشش کے ایک سال کی قید ہو گئی۔ اور باقی دیگر سازشی معہ دلیپ سنگھ کے مختلف جیل خانوں میں بھیجے گئے۔ اور کئی ماہ بعد غیر معمولی تحقیق و تجسس سے سب کو پھانسی کی سزا سنادی گئی اور چند دن کے بعد وہ پھانسی کے تختہ پر چڑھا دیئے گئے۔"

چندرہ چونکہ جیل میں ہی تھی دلیپ سنگھ نے مرتے وقت اُس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی لیکن یہ خواہش اُس کی پوری نہ کی گئی - آخر وہ زبانی ہی ایک ہمدرد سپاہی کو کچھ کہہ گیا - جو چندرہ کی رہائی کے بعد اُسے آکر ملا اور اُسے جوں کا توں سُنا گیا - بات یہ تھی جو مال چندرہ کا رام دھن کی شرارت سے چوری ہو گیا تھا - دلیپ سنگھ نے اُس کا پتہ لگا لیا تھا - وہ چندرہ کو اُس رئیس کا نام اور پتہ بتانا چاہتا تھا - چندرہ نے اس کے عوض میں اُس سپاہی کو بہت سا انعام واکرام دیا - اور خود بڑی زندہ دلی اور ہوشیاری سے اپنے کاروبار میں حسب دستور سابق مشغول ہو گئی -

چونکہ چندرہ کے دل میں کسی قسم کا پاپ نہیں تھا اس لئے وہ خود ہی اُس رئیس کے پاس گئی اور اُسے نہایت نرم الفاظ میں مخاطب کر کے کہا " میں تو آپ کو قوم اور دھرم کا ایک خیر خواہ تصور کرتی تھی اور مجھے آپ سے ہرگز ایسے سلوک کی اُمید نہیں تھی - کہ میرے نمک حرام ملازم کے ساتھ مل کر مجھے تباہ کر دو گے " -

" اوہو - یہ تمام کارروائی میری غیر حاضری میں میرے کارندوں نے کی تھی - اس واسطے میں تم سے معافی کا خواستگار ہوں - اے حورِ بہشت شتاب تو کیا چاہتی ہے - میں تمہارے نقصان کی تلافی کرنے کے لئے تیار ہوں - یہ جو میرے پاس ہے اس کو بھی اپنا ہی تصور کرو - وہ کچھ بول کر اُس سے خیال میں تمہارا اس گھر سے میں بلیچھ کر یا نہیں کرنا بھی

مناسب نہیں کیونکہ اس کمرے میں ہر وقت غیر آدمی آتے جاتے رہتے ہیں۔ دوسرے کمرے کا پردہ ہٹا کر چندرہ کو اندر لے گیا اور ایک بڑے خوبصورت پلنگ پر بٹھا کر کہا یہاں بیٹھو اور میرے خانۂ دل پر ملکہ بن کر حکومت کرو۔"

غرض اُس رئیس نے چندرہ کو باتوں میں لگا کر اپنے مکان میں قید کر لیا اور کئی مہینے تک وہیں قید رکھا۔ اتنے عرصہ میں ہم تم قیاس کر سکتے ہیں کہ اُس نے کتنے فاقے اُٹھائے۔ اور کیسے کیسے اپنے عصمت جیسے انمول گوہر کو اُن سفاک اور بے ایمان جواریوں کی دستبُرد سے برباد کیا۔ کہ قریب المرگ ہو گئی۔ ایک دن حیلہ کر کے اُن کی قید سے فرار ہوئی اور مارے شرم کے اِدھر اُدھر چھپتی رہی۔ اتفاق سے اُنہیں دنوں میں ایک ماہ کی رخصت لے کر گھر گیا ہوا تھا کہ اچانک چندرہ سے ملاقات ہو گئی۔ میں چندرہ کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا۔ مگر جب اُس نے اپنے حالات سنائے تو دل پر سخت چوٹ لگی۔ اور چونکہ اُس کا ذریعہ معاش وغیرہ ختم ہو چکا تھا اور کوئی معاون و مددگار نہیں تھا میں اُس کو اپنے مکان پر لے گیا۔ اور ہر طرح سے اُس کی تسلی کی۔ جب میں نے اُس کے دشمنوں سے مواخذہ کرنے کا ارادہ کیا تو اُس نے کہا "اس معاملہ کو ایشور پر چھوڑ دو۔ کیونکہ اس سے میری بے عزتی ہو گی۔" چنانچہ میں چندرہ کے اصرار سے خاموش ہو گیا اور رخصت ختم ہونے پر نوکری پر آ گیا۔"

دولت رام چندرہ کے حالات سنا رہا تھا مگر پریم کے دل کی اُس وقت خاص حالت تھی۔ اُس کے دلی جوش کا چہرہ بہ اندازہ امر محال ہے اُس کے دل میں غیر معمولی ولولے اُٹھ رہے تھے۔ اُس کی بھویں تنی ہوئی تھیں۔ چہرے سے خوفناک انتقام کی جھلک نمایاں تھی۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولا" کیا چندرہ کے قید ہو جانے کے بعد میری ماں مرگئی"۔

"آہ جب ہر طرف سے اُس کو مایوسی ہی مایوسی دکھائی دینے لگی تو اُس کا دل بیٹھ گیا۔ شکنتلا کے باپ نے اُس کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا"۔

"اور تم یہاں چلے آئے؟"

"آہ۔ دوست میں اپنی ڈیوٹی پر چلا آیا۔ کیونکہ میں سوائے رنج اٹھانے کے اور کسی قابل نہ تھا"۔

"اور وہ کشن سنگھ؟"

"اُس کی بے ایمانی میں تم کو سنا چکا ہوں۔ میں جب واپس آنے والا تھا تو اُس کی ہمشیرہ کے بیاہ کی تیاری ہو رہی تھی۔ مگر سنا ہے کہ اُس کی ہمشیرہ اس شادی پر رضامند نہیں ہے"۔

پریم مسکرا کر بولا" ٹھیک ہے۔ اور اب چندرہ کہاں رہتی ہے؟"

"پریم! وہ میرے غریب خانہ میں مقیم ہے۔ میں اپنی بیوی کو سمجھا آیا ہوں کہ اس کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے"۔

پریم دولت رام کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا "دولت رام! چندرہ کی صورت۔ جوبن اور عقل میں تو کوئی تغیر واقع نہیں ہوا؟"

دولت رام آہ کھینچ کر بولا "کمبخت لڑکی ازل سے زندہ دل اور غیر معمولی قوتِ ارادی لے کر آئی ہے۔ لیکن عصمت کی بربادی سے اُس کے دل کا کنول مرجھا گیا ہے۔ اب وہ پہلی سی چندرہ نہیں رہی جس کو دیکھ کر لوگ دل پر ہاتھ دھر لیا کرتے تھے۔"

"تو کیا وہ قریب المرگ ہے؟"

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اگر تم دو چار ماہ اور اُس سے نہ ملے تو اُس کے نامراد مرنے میں کسے شک ہے۔"

"رام دھن کی بابت بھی کچھ سنا؟"

"اُس کو میں خود آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہوں۔ وہ امرتسر میں اپنے بھائی کی کل جائداد پر قابض ہے۔"

"ہیں بھائی کی جائداد پر؟ وہ کیسے؟"

"سنا ہے اُس کی بیوی کا رام دھن سے ناجائز تعلق تھا۔ اُس نے سازش کر کے شوہر کو قتل کرا دیا۔ اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔"

"لکھمی رائے اور شکنتلا کی بابت بھی کچھ معلوم ہے؟"

"پیارے دوست وہ اُسی طرح شاد ہیں۔ سنا ہے انسپکٹر جعفر حسین سے جو اُس دن تمہارے مکان کی تلاشی لینے گیا تھا اور جو اب پنشن پا کر ریٹائرڈ ہو چکا ہے لکھمی رائے نے شراکت کر کے کئی ٹھیکے لئے ہیں اور

مت دولت پیدا کی ہے"۔

پریم نے پُراسرار انداز میں کہا "جعفر حسین؟"

"ہاں خانصاحب جعفر حسین"۔

"ہیں۔ خاں صاحب"۔

"ہاں۔ یکایک دولت آجانے پر خطاب بھی مل گیا"۔

"اچھا دولت رام اب تم یہ بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ میں تو ہر حیلہ سے چندرہ کے پاس پہنچنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ اگر وہ کسی مہلک مرض میں مبتلا ہو گئی تو میرا جینا وبال ہو جائیگا"۔

"پریم! میرا بھی یہی خیال ہے کہ تم جلد چندرہ کے پاس پہنچو۔ اگر میرے لائق اور کوئی خدمت ہو تو بیان کرو۔ میں اگر آزاد پیشہ ہوتا تو تمہارے ساتھ پنجاب چلتا مگر کیا کروں۔ ڈیوٹی سے مجبور ہوں"۔

"اچھا دوست افسوس نہ کرو قسمت ہی ایسی ہے کہ ہم تم جدا رہیں اب تم بتاؤ میں کس ذریعہ سے جاؤنگا۔ اگر راستہ میں کسی کو مجھ پر شک ہوا تو میں کیا کرونگا"۔

"دوست اس کا بندوبست میں خود کرونگا تم اس بات سے بے فکر رہو۔ میرے پانچ آدمی تم کو سپاہیانہ وردی میں چھوڑنے جائینگے جہاں تک خطرہ ہے تمہاری رہنمائی کرینگے"۔

"بھائی دولت رام میں کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں۔ میرے پاس تو ایسے الفاظ بھی نہیں ہیں"۔

دولت رام نے پریم کو برلورانہ اُلفت سے گلے لگالیا اور اشک محبت بہاتے ہوئے کہنے لگا

"پیارے پریم! میں بھی کچھ دُور تک تمہارے ساتھ چلونگا خصوصاً اُس حد تک جہاں تک گرفتاری کا اندیشہ ہے"۔

باب دسواں

مندرجہ بالا واقعات سے قریب دو ماہ بعد کا ذکر ہے کہ ایک بانکا چھیل چھبیل۔ خوبصورت نوجوان سیاہ رنگ کی موٹر میں سوار امرت سر کے شہر سے باہر نکلا اور لاہور آنے والی سڑک پر موٹر کو ڈال دل میں کہنے لگا کیا مجھے کامیابی نہ ہوگی۔۔ دل کے نورانی جواب سے اُس کے چہرے پر غیر معمولی سکون کی جھلک نمایاں ہوئی۔ وہ خود بخود کہنے لگا۔ ہوگی ضرور ہوگی۔ کیونکہ میں نے کسی کو بے وجہ نہیں ستایا۔ میں نے کسی مظلوم کے دل کو ٹھیس نہیں لگائی۔ موٹر پوری تیزی سے جا رہی تھی۔ بجلی کی روشنی دُور دُور تک سفید چادر بچھا رہی تھی۔ آسمان کے مطمئن رنگ میں ایک غیر معمولی دلکشی کی سرخی نمودار تھی۔ وہ نوجوان جو موٹر میں حسرت کے آنسو بہا رہا تھا۔ خوب متاثر ہوا۔ موٹر دو تین میل تک بے خبری کی حالت میں چلتی رہی۔ آخر اُس کے یکایک چونک

جانے سے ایک طرف کو مڑی۔ اور ریل کی لائن سے گذر کر ایک غیر معروف سڑک پر چلانی شروع کی۔ کچھ دور جانے پر موٹر روک دی گئی۔ قریباً پندرہ منٹ کے بعد ایک اور موٹر امرت سر کی طرف سے آتی دکھائی دی۔ وہ غیر معمولی تیزی سے چلی آرہی تھی۔ اُس نے اُس موٹر کی تیزی کو دیکھکر تبسم کیا۔ اور فوراً اپنی موٹر کی بتیاں بجھا دیں۔ موٹر مذکور بھی پہلی موٹر کی طرح لائن سے پار اُس طرف آنے لگی کہ کسی نے موٹر کے اندر سے چلا کر پوچھا۔ مگر اس حیرانی کا باعث ابھی معلوم نہ ہونے پایا تھا کہ اُس موٹر کے قریب آکھڑی ہوئی۔ کسی شخص نے جو ظاہر میں افسردہ حال معلوم ہوتا تھا تیزی سے باہر نکل کر تحکمانہ آواز میں کہا " تم کون ہو۔ یہ موٹر کس کی ہے؟"

یکایک اُس موٹر ڈرائیور نے اپنی توجہ اُس کی طرف مبذول کرتے ہوئے کہا " حضور میں آپ کا خادم بینی پرشاد ہوں "۔

" او بینی پرشاد یہ کیا حرکت ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا "۔

" حضور میں کچھ نہیں جانتا۔ یہ میرے استاد ہیں۔ ان سے دریافت فرمائیے۔ وہ آپ کے ہر ایک سوال کا تشفی جواب دینگے "۔

نوجوان نے دوسری موٹر کے ساتھ کھڑے ہوئے ایک شخص کو دیکھا۔ اور سرعت سے اُس کی طرف بڑھ کر غصہ سے بولا " جناب یہ کیا حرکت ہے۔ آپ کون ہیں۔ ذرا جلدی جواب فرمائیے "۔

اُس شخص نے بینی پرشاد کو اشارہ سے اپنی طرف بلایا اور ایک بلند

نوٹوں کا اُس کے حوالہ کر کے کہا۔

"اچھا دوست جاؤ۔ میں تمہارا مشکور ہوں"۔

بینی نے نوٹ واپس کرتے ہوئے کہا "نہیں۔ میں ایسا بے غیرت نہیں ہوں۔ مجھے کافی معاوضہ مل گیا ہے۔ میرا معصوم بچہ مردہ سے زندہ ہو گیا ہے۔ میرے معصوم مالک کی روح کو انتقام مل گیا ہے۔ بس اب میں اِس سے زیادہ کا مستحق نہیں ہوں"۔

اُس شخص نے بدستور سنجیدگی کو قائم رکھتے ہوئے کہا "بینی لے لو اور واپس جاؤ"۔

بینی اُس کے اصرار سے متاثر ہوا اور نوٹوں کا پلندہ لے کر واپس چلا آیا۔ وہ افسردہ صورت بنائے موٹر میں سوار ہوا اور قریب تھا کہ موٹر واپس کرے۔ کہ اُس کی سواری نے چلا کر کہا۔

"ٹھہرو۔ کدھر جاتے ہو۔ میں تمہاری اِس سازش کا شکار۔۔۔"

پیشتر اس کے کہ وہ کچھ اور کہے۔ منہ کے بل زمین پر آگرا اور چشم زدن میں ہاتھ اور پاؤں سے جکڑ لیا گیا۔

"تم کون ہو؟ میں بیگناہ ہوں میرے پاس دولت ہے"

اُس شخص نے جس کی قوت جسمانی قابل اعتماد نہ تھی۔ نمایاں قوت سے کام لیتے ہوئے کہا "بیگناہ ہو کر دولت کا لالچ دیتے ہو؟"

"خدا سے ڈرو۔ مجھے مت مارو۔ بے وجہ دشمنی اچھی نہیں میں نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا!"

اُس شخص نے طنز سے کہا "بیشک تم نے میرا کچھ نہیں بگاڑا"۔

"خدا کے خوف سے ڈرو"۔

اُس شخص نے بغیر کوئی جواب دیئے اُسے موٹر کے پیچھے مضبوط رسیوں سے جکڑ کر سڑک پر چھوڑ دیا اور کہا "اے شخص دیکھ یہ سزا کتوں کی موت سے بدتر ہے یا نہیں؟"

"افسوس۔ بتاؤ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

"تم خود بتاؤ تم نے دنیا میں کسی کا کچھ بگاڑا بھی ہے یا نہیں!"

"میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے آجتک کسی کو نہیں ستایا"۔

"شیطان اپنی ضمیر کا خون کرتا ہے"۔

"آہ میں نہیں جانتا۔ تم ہی بتا دو۔ مجھے اس طرح رسیوں سے نہ باندھو"۔

"اچھا میں موٹر میں بیٹھ کر یاد کراتا ہوں تم بھول گئے ہو۔ زندگی کا ایک ایک لمحہ تمہاری آنکھوں کے سامنے پھر جائیگا۔ میں کیا بتاؤں"۔

"آہ پرماتما کے واسطے ایسا مت کرو۔ میری جان عذاب میں ہے۔ یہ بتاؤ تم مجھ سے چاہتے کیا ہو؟"

"شیطان میں کیا بتاؤں تم نے میری طاقت۔ عزت۔ زندگی سب کچھ برباد کر دیا۔ اب مجھ سے ہی پوچھتا ہے"۔

"تم ہو کون ——— آہ ۔ پریم ——— میں آواز پہچانتا ہوں"

دبا ہوا شخص مذکور ذرا پیچھے ہٹ کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ اُس

کی آنکھوں میں اُس وقت آنسو تھے۔ اور لب پر لفظ ہائے ماں"۔

"آہ پریم۔ مجھے مت مارو۔ میں تمہارے نقصان کی تلافی کردینے کا وعدہ کرتا ہوں"۔

نوجوان نے جس کے متعلق اب ہمارے ناظرین واقف ہو گئے ہیں بھرائی ہوئی آواز میں کہا "پہلے میری ماں کو لاؤ۔ پھر میری عزت...

"آہ یہ دونوں باتیں غیر ممکن ہیں"۔

"تو بس خبردار ہو جاؤ"۔

"پریم! میری زندگی لے کر تمہارے ہاتھ کیا آئیگا۔ میرے پاس بے شمار دولت ہے۔ لے لو۔ اس سے تمہاری صحت اور عزت سب کچھ واپس آجائیگا۔ میں بھی اپنے اعمال کی سزا پالوں گا اب جانے دو جو ہونا تھا ہو گیا"۔

"او شیطان! تم میرے نقصان کی تلافی نہیں کرسکتے۔ میں خود اس کا حق ادا کراؤنگا۔ دولت اور صحت کی میری نگاہوں میں کچھ بھی حقیقت نہیں ہے۔ یہ دوبارہ مل سکتی ہیں۔ مری ہوئی بوڑھی ماں اور لٹی ہوئی شہرت واپس نہیں مل سکتیں۔ جو نہایت قلق اور تڑپ کے ساتھ برباد ہو گئیں۔ تمہاری ناشائستہ حرکات سے کئی خاندان۔ گھر اور محلے تباہ ہو گئے ہیں۔ اب کیا تم اپنے دل کے چراغ کو روشن رکھوگے یہ غیر ممکن ہے"۔

"افسوس! پریم ذرا غور کرو۔ میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔

میرے اعمال بیشک قابلِ نفرت ہیں۔ مگر اب میں اقبالِ جرم کے
علاوہ ان کی کافی طور پر تلافی کر دینے کا بھی وعدہ کرتا ہوں۔ میں اب
اگر رہا کر دیا جاؤنگا تو دنیا میں بہت کچھ بھلائی کر سکونگا۔ مجھے ایسی موت
مارنے کا ارادہ ترک کر دو۔"

"آہ۔ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میں اپنے دل اور قدرت کے اصول
کو تکمیل دینا چاہتا ہوں۔ میں تم سے کس طرح رحم کا سلوک کروں اور
تمہاری زبان پر کس طرح اعتبار کروں۔ جبکہ تم شروع سے میرے ساتھ
غدار رکھتے ہو۔ تمہارے جیسا ضمیر مردہ انسان دنیا میں رہنے کا مستحق
نہیں۔ سیدھی طرح ان کے آلام کو احساس میں لاتے ہوئے اپنے کردار
بد کو کوسو۔ اور اپنے ضمیر پر ملامت کرو جس نے گناہ سے باز نہ رکھا۔"

"آہ میری دولت لے لو۔"

"پاگل دولت تیرے دینے سے نہیں مل سکتی۔ وہ میں نے خود اپنی
فراست سے حاصل کر لی ہے۔ اور وہ عنقریب کسی نیک کام میں صرف
کر دی جائے گی۔ دیکھ او وہ بیٹی جس نے تمہیں بھائی کے قتل سے
باز رکھنا چاہا آج ذراسی نیکی کے صلہ میں امارت و نمود کا حقدار بنا ہے
اگر تم اسے چھ ماہ تک طرح طرح کے عذاب دے کر اور اس کے عیال
و اطفال کو مار مار کر اپنا ہمخیال نہ بنا لیتے تو وہ تمہیں یقیناً سرکار کے
دربار سے سزا دلاتا۔ مگر خیر دنیاوی انصاف کے ساتھ قدرتی حقدارو
نے بھی انتقام لینا تھا۔ سو اس کی وجہ سے تم اب تک زندہ بچ رہے

اور اسی معصوم کے طفیل آج پا بہ زنجیر ہوئے ہو۔ دیکھو وہ تحریر جو تم نے بہنی سے حاصل کی تھی وہ آج تمہارے سامنے چاک کی جاتی ہے ان تحریروں اور زنجیروں سے خدا اُن کو محفوظ کر لیتا ہے۔ جو ناجائز اپنی قوت سے فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں"۔

اسیر رام دھن نے دیکھا کہ پریم ایک کاغذ جیب سے نکالا جس پر طول طویل عبارت لکھی تھی۔ اطمینان سے پھاڑ ڈالا۔ اور جیب سے دیا سلائی نکال کر اُن ٹکڑوں کو جلا دیا۔ رام دھن خاموشی سے اس منظر کو دیکھ رہا تھا کہ پریم نے موٹر کی طرف رُخ کیا۔ اور اُس کی حالت بیکسی پر غور کرتا ہوا موٹر میں جا بیٹھا۔ بکایک موٹر کو دھکا لگا اور رام دھن نے چلا کر کہا "آہ۔ میں مرا۔ ظالم مجھے ایسی موت نہ مار۔ دیکھ میں شور مچاؤنگا میری مدد کو گاؤں والے آجائینگے۔ تو تیرا بچ نکلنا محال ہوگا"۔

پریم نے موٹر کو آہستہ کر کے کہا "میں نے دانستہ تیرا منہ بند نہیں کیا۔ دیکھو اگر تم ایسے عمل کی دھمکی دیتے ہو تو میں دوسرا بندوبست کئے دیتا ہوں"۔

"کس لئے تم نے ایسا نہیں کیا؟"

"اس لئے کہ میں تمہارے احساس قلب کو دیکھ سکوں"۔

"آہ مجھے نہ مارو۔ میں تمہارے پاؤں پڑتا ہوں۔ خدا کے واسطے ایسا ظلم نہ کرو"۔

رام دھن بلک بلک کر رونے لگا۔

"تکلیف کے وقت انسان یونہی کیا کرتے ہیں"۔

"آہ جو کہو ماننے کو تیار ہوں"۔

"بس۔ وجہ مجبوری ہے۔ ورنہ تم نہ مانتے"۔

"دیکھو۔ میں تم کو بد دعا دونگا"۔

پریم ہنس کر بولا "اے دیوتا بد دعا چھوڑ آگ برساؤ۔ میں تیرے ان ڈھکوسلوں کو نظر میں نہیں لانے والا"۔

رام دھن دیوانوں کی طرح کانپ کر بولا "تم چاہتے کیا ہو؟"

"محض تمہاری زندگی"۔

"تو مجھے چھری سے ہلاک کر ڈالو"۔

"یہ بھی منظور نہیں"۔

"اور پھر کس طرح مارنا چاہتے ہو"؟

"تم کو تڑپ تڑپ کر مرتا دیکھنا۔ جیسے تم نے بیگناہوں کو مارا ہے"۔

"آہ مجھے ایسا نہ مارو"۔

موٹر چلدی۔

"ٹھیرو۔ ذرا ٹھیرو"۔

"بس کافی وقت ہو گیا"۔

"آہ بتاؤ۔ کہاں تک لئے جاؤ گے"؟

"جہاں تک تمہاری روح قالب سے پرواز نہیں کرتی"۔

"موت سے بدتر حالت ہو گئی ہے"۔

"ابھی نہیں"۔

موٹر پوری تیزی سے جھاڑیوں۔ کنکروں اور پتھروں میں چلتی ہوئی لاہور کی طرف روانہ ہوئی۔ طرح طرح کی آہیں اور چیخیں سنائی دیں جو پریم کے دردمند سینہ کو فگار کر دینے کا اثر رکھتی تھیں۔ مگر وہ اپنی جگہ پر آسمان کی بتدریج تبدیلی کو دیکھتا رہا۔ فطرت کی گوناگوں نیرنگیوں نے اُسے انسانی ہستی سے بالا اٹھائے ہوئے لبیک کہا۔ جس سے اُس کی چشم پُرنم سے گوہر اشک رواں ہو گئے"۔

باب گیارہواں

حالات مذکورہ کے دوسرے دن دوپہر کو ایک سیاہ رنگ کی موٹر لاہور ضلع کے اندر داخل ہوئی۔ اپنی پُر رفعت آواز سے لوگوں کو آگے سے ہٹائے جاتی تھی۔ تھوڑی دیر میں صاحب رجسٹرار کے دفتر کے سامنے جا کر رکی اور اندر سے ایک نہایت وجیہ خوبصورت سن رسیدہ آدمی نیچے اُترا اور شاندار اسٹیک کو گھماتا ہوا آفس مذکور کے اندر داخل ہوا۔ دروازہ میں دو تین آدمی کھڑے تھے۔ نہایت خلق اور آداب سے پیش آئے۔ ایک اُن میں سے لالہ لکھمی رائے تھے۔ جنہوں نے شخص آمدہ کو پُر معنی انداز میں سلام کا جواب دیا۔ اور ذرا فاصلے

پر ہمٹ کر کان میں کہنے لگا "اشٹامپ میں درج ہے کہ روپیہ صاحب رجسٹرار کے روبرو دیا گیا"۔

وہ شخص جبیں پر تیوری ڈال کر بولا۔ "اور ہم کیا دیتے ہیں؟"

"آپ چیک دیتے ہیں"۔

"تو وہ کیا ہوتا ہے"۔

"ہم کو تو کوئی اعتراض نہیں۔ مگر ایسا نہ ہو کہ رجسٹرار صاحب منظور نہ فرمائیں"۔

"کیا تم نے پوچھا ہے؟"

"ہاں۔ میرے سامنے ایک رجسٹری ہوئی ہے۔ وہ آدمی بھی بڑا بارسوخ تھا۔ مگر اعتراض سے نہ بچ سکا"۔

"تو پھر میں پہلے جا کر روپیہ ہی لے آؤں"۔

لکھنے والے نے جو دل میں اسی بات کا متمنی تھا کہا۔ "ہاں پھر جو تکلیف ہو۔ فائدہ کیا؟"

شخص مذکور جلدی جلدی قدم اٹھاتا ہوا رجسٹرار صاحب کے پاس گیا اور نہایت التجا آمیز آواز میں کہا۔ "حضور میرے پاس نقد روپے کی بجائے ساٹھ ہزار کا چیک ہے۔ اگر کوئی ہرج نہ ہو تو قبول کیا جاوے"۔

رجسٹرار صاحب جو کسی متنفس کو رعایت کا موقعہ نہ دیتے تھے کرخت آواز میں بولے "مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے جب لینے والے کو منظور ہے"۔

"بیشک وہ صاحب میری شرافت کو جانتے ہیں۔ انہیں کوئی بھی اعتراض نہیں ہوگا"۔

"مگر یہ خلافِ قانون ہے کہ اسٹامپ میں میرے روبرو روپیہ ادا کرنا لکھا ہو اور دیا جائے چیک۔ میں اس کی ذمہ واری نہیں لیتا۔ تم خود فیصلہ کرو۔ بعد میں کوئی جھگڑا ایسا نہ ہو"۔

لکھمی رائے نے قریب آکر مطمئن آواز میں کہا "خاں صاحب! آپ کس لئے لیت و لعل کر رہے ہیں۔ موٹر آپ کے پاس ہے دو منٹ میں جاکر روپیہ لے آئیں۔ خواہ پانچ پانچ ہزار کے نوٹ ہوں"۔

لکھمی رائے دل میں اس وجہ سے خائف تھا کہیں رجسٹرار صاحب کسی رعایت سے کام نہ لیں اور مجھے چیک ہی نہ لینا پڑے"۔

خاں صاحب لکھمی رائے کی اپنی ہی خواہش ایسی دیکھ کر بولے "تو میں ابھی روپیہ لے آتا ہوں۔ بات ہی کونسی ہے؟"

خاں صاحب موٹر میں سوار ہو کر ڈرائیور سے بولے "ڈرائیور! موٹر بینک میں لے چلو"۔

چند منٹ میں موٹر بینک کے سامنے جاکر رکی۔ خاں صاحب جلدی سے اوپر جاکر روپیہ لے آئے۔ اور موٹر میں اگر شرابیوں کی طرح گر گئے "بینک والے بھی کیسے بے مروت ہوتے ہیں"۔ اُن کی زبان پر تھا۔ ڈرائیور نے موٹر کچہری کی طرف موڑی۔ راستہ میں ایک دو جگہ جھگڑا سا لگ رہا تھا۔ خاں صاحب اُن کو دیکھ کر جھلا اٹھے۔ دفعتاً موٹر

ایک بڑے عالیشان مکان کے پھاٹک میں داخل ہوئی۔ ڈرائیور نے جلدی سے کود کر پھاٹک بند کر دیا۔ اور متانت آمیز نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھ کر دل میں بولا۔

"پرماتما! میری مدد کر"

خان صاحب موٹر سے کود کر بولے "ڈرائیور! یہ کیا شرارت ہے؟ تم مجھے کہاں لے آئے ہو"؟

خان صاحب کی آنکھوں سے خون کے فوارے نکلتے معلوم ہونے لگے۔ اُنہوں نے دیکھا جو اُن کا اپنا ڈرائیور تھا وہ نہیں ہے کوئی چالاک چور ہے جس نے میرے ڈرائیور کو کسی طرح قابو میں کر کے مجھے لوٹنے کی غرض سے اُس کا سا بھیس بنایا ہوا ہے۔ اگرچہ اُس ڈرائیور کی بھی وضع قطع اُس کے اپنے ڈرائیور سے ملتی جلتی تھی تاہم خاں صاحب ریاکار عیار پولیس افسر کو پہچاننے میں دقت نہ ہوئی۔ فوراً اُسے پہچان گئے اور تن کر بولے۔

"تو کون ہے اور کیا چاہتا ہے"؟

"میں ملک الموت ہوں اور تمہاری جان چاہتا ہوں"۔

خان صاحب کھلکھلا کر ہنس پڑے اور چھت کی طرف دیکھکر بولے

"ملک الموت ہے اور جان چاہتا ہے"

"ہاں"

"یہ منہ اور مسور کی دال"

ڈرائیور متبسم آنکھوں سے دیکھا کیا۔

"ہٹ جاؤ آگے سے ورنہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

نوجوان مسکراتا رہا۔

"تو چور اور میں چوروں کا باپ ہوں جانتا ہے میں کون ہوں؟"

"بیشک اس بات کا میں قائل ہوں۔"

"تو آگے سے ہٹ جا۔ مفت میں اپنی جان نہ گنوا۔ تیری بھولی او

مظلوم آنکھیں رحم کی التجا کر رہی ہیں۔"

نوجوان کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔

خاں صاحب فوراً اُس کے حالات سے متاثر ہو کر بولے "چوری او

اس طرح بُزدلی"۔

"میں بُزدل نہیں ہوں"۔

آنکھوں کی طرف اشارہ کر کے "اور یہ کیا ہے؟"

"یہ میرا دردِ دل اور یادِ رفتگان"۔

"معلوم ہوتا ہے تو کسی ظالم کا ستایا ہوا ہے؟"

نوجوان نے آہِ سرد بھری۔

"دیکھ میں نے بہت جلد واپس جانا ہے۔ میرے راستے میں رکاوٹ

نہ ڈال اور اپنی ہٹ سے باز آ۔"

"میں آپ سے کچھ نہیں کہتا میں صرف آپ سے اپنا روپیہ واپس

لینا چاہتا ہوں"

خاں صاحب چلّا کر بولے "- روپیہ کیسا اور توں کون ہے"؟

آپ یاد فرمائیں آپ نے دو سال گذرے کسی شخص سے جبرًا یا دانستاً قرضہ لیا تھا؟"

"مجھے یاد پڑتا ہے میں نے آج تک کسی سے جبرًا روپیہ نہیں لیا اور قرض لینا تو میری فراست سے باہر ہے"۔

"پھر یاد فرمادیں کسی ایسے مظلوم سے جو بدقسمتی سے تمہارے ہتھے چڑھ گیا ہو"!

خاں صاحب چلّا کر بولے "- لڑکے دیکھ! میں اگرچہ بوڑھا ہوں مگر تیرے جیسے دس بیس چھوکروں کے لئے اب بھی کافی ہوں۔ جہالت سے باز آتا ہے یا نہیں میں کہتا ہوں راستہ چھوڑ دے - اور مفت میں اپنی جان مت گنوا"!

"آہ میں روپیہ مانگتا ہوں"۔

"کیسا روپیہ میں کچھ نہیں سمجھتا - اگر کوئی مطلب کی بات ہے تو صاف اور خلاصہ بیان کر"۔

"آپ کا ضمیر آپ کو یاد دلا رہا ہے ضمیر کی آواز سنیں"۔

"میں کہتا ہوں میں نہیں جانتا تفصیل سے بات کرو - تمہارا کتنا روپیہ ہے"؟

"پچاس ہزار"۔

خاں صاحب سر سے پاؤں تک کانپ کر نوجوان کی طرف غور

سے دیکھ کر بولے " تم ۔۔ تم

" بس بس خاں صاحب اب آپ سب کچھ سمجھ گئے ہیں ۔ آپ کو اب میرے اشارے پر عمل کرنا چاہیئے ۔ میں اگرچہ جسمانی طور پر آپ سے نہایت کمزور ہوں ۔ مگر روحانی پہلو میں آپ پر فوقیت رکھتا ہوں آپ یقین فرمائیں طاقت اور وجاہت پر انصاف کا دارومدار نہیں ہے حقیقت اور قدرت پر بھی کچھ فرض عائد ہیں ۔ وہ طاقتیں انسانی کمزوریوں کو زائل کر کے طاقت ور بنا دیتی ہیں ۔ لہذا آپ کی جُملہ عفونتیں انتقام کی آتش میں بھُن جائیں گی ۔ آپ اپنے لئے سزا تجویز کریں ۔ میں بیان کرتا ہوں :۔

" وہ دیکھئے کونے میں ایک کوٹھڑی ہے جس کا دروازہ فولاد کا بنا ہوا ہے ۔ اُس کے اندر انسان بمشکل کھڑا ہو سکتا ہے ۔ آپ اس قید میں پڑنا چاہتے ہیں ۔ یا اس دوزخ میں جو آپ کے سر پر سانپوں کی صورت میں لٹک رہا ہے ۔ یہ سانپ مہلک زہر نہیں رکھتے بلکہ ان سے انسان تڑپ تڑپ کر اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہے ۔ خدا کے حضور میں گڑ گڑ گڑاتا ہے ۔ آپ یقین فرمائیں آپ کے لئے یہ سزا بالکل معمولی تجویز کی ہے ۔ اوّل الذکر حجرے میں انسان گھٹنے ٹیک کر بھی نہیں بیٹھ سکتا ۔ اور سب سے بڑی تکلیف بھوک اور پیاس سے اٹھانی پڑتی ہے ۔ جس سے انسان موت سے پہلے موت کا شکار ہو جاتا ہے آپ نے کسی کو قتل نہیں کیا اور نہ کسی قسم کا سنگین جُرم کیا ہے ۔

لیکن آپ کی وجہ سے کئی بے گناہ جانیں تلف ہو گئی ہیں۔ لہٰذا ایسے جُرم کے لئے یہ سزا بہت کم ہے۔ میں آپ کو چار منٹ تک غور کرنے کی مہلت دیتا ہوں۔ سوچ کر جواب دیں۔"

خان صاحب کی آنکھوں سے غضب کے شعلے نکلنے لگے۔ وہ نوجوان کی طرف جھپٹے۔ مگر پیشتر اس کے کہ وہ نوجوان کے جسم کو چھوئیں دھڑام سے نیچے گر پڑے۔ اور ایک آہنی سلاخوں دار جنگلہ درمیان میں حائل ہو گیا۔ خان صاحب اس اسرار سے ناواقف تھے۔ آہ کر کے رہ گئے۔

نوجوان پُرسکون لہجہ میں بولا "خان صاحب! وہ موت جو آج کی رات میری وجہ سے ایک شخص کو آئی ہے بہت سوہان روح ہے۔ آپ خوشی منائیں کہ آپ کی موت بہت دلکش ہو گی۔"

"آہ۔ میں نہ جانتا تھا کہ اس گناہ بے لذت کا انجام ایسے پُرخطر حالات پہ مبنی ہے۔"

"بیشک کوئی نہیں جانتا۔ میں جانتا ہوں۔"

"اگر گناہ کا ازالہ کر دیا جائے۔ اور آپ کو روپیہ واپس دیدیا جائے تو تمہارا کیا خیال ہے؟"

"یہ کوئی اچھی صلاح نہیں ہے۔ اس روپیہ کا حق دار جو کوئی ہے وہی رہے گا۔ لیکن سزا میں تخفیف نہیں ہو سکتی کیونکہ آپ کے ظلم سے کئی بیگناہوں کو صدمہ پہنچا ہے۔"

"آہ عقلمند لڑکے! غور کر۔ اگر وہ روپیہ گورنمنٹ کے قبضہ میں چلا جاتا تو پھر؟"

"اس کی پرواہ نہ تھی۔ گورنمنٹ اس کا قصاص بھگتتی اسکی ذمہ داری عظیم ہے۔ قوت حاصل کر کے تلف کی جاسکتی ہے"۔

"آہ۔ میں سمجھ گیا۔ تمہارے سر پر خون سوار ہے۔ تم جان لئے بغیر نہ رہو گے۔ تمہارے جذبات خطرناک ہیں"۔

"بیشک۔ آپ خیالات کا چربہ خوب اُتار سکتے ہیں"۔

"نہیں نوجوان میں نے بہت تجربہ کے بعد ایسی حالت کا اندازہ لگانا سیکھا ہے۔ میرا کام ہی لوگوں کے جذبات کا مطالعہ کرنا تھا"۔

"بیشک کہئے"۔

"اب کیا کیا جائے۔ اگر تم کو رحم آئے تو چھوڑ دو۔ ورنہ میں مجبور اور بے حس و حرکت پڑا ہوں"۔

"آپ بڑے زبردست حوصلہ کے مالک ہیں۔ میں آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں"۔

خاں صاحب خاموش سر جھکائے بیٹھے رہے۔ نوجوان نے آگے بڑھ کر کہا۔ "وہ روپیہ مجھے دیدیجئے"۔

خاں صاحب موصوف نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ "میں روپیہ نہیں دے سکتا"۔

"اچھا اپنے پاس ہی احتیاط سے رکھیں اور میرے ہاتھ کی صفائی

دیکھیں کہ میں کیسے وصول کرتا ہوں"۔
نوجوان موٹر کو دیکھ ایک نگاہ خاں صاحب پر چھوڑ دروازہ کی طرف بڑھا اور دروازہ کے پیچھے ایک کمانی کو دبا کر بولا "کیا آپ اب بھی اپنے ارادے پر قائم ہیں؟"
"اُف۔ خاں صاحب چلّا کر بولے۔ اِدھر آؤ۔ اِدھر آؤ۔ میں ایسی موت نہیں مرنا چاہتا۔ یہ لو "روپیہ"۔ بند کرو۔ بند کرو"۔
نوجوان نے کمانی کو ڈھیلا کر دیا۔ اور لپک کر نوٹوں کا پلندہ اُٹھا کر متانت سے بولا "خاں صاحب! آپ یہاں چند دن مہمان رہیں گے بعد ازاں مصیبت کا خاتمہ ہو جائیگا"۔
"تم بیشک مجھے جان سے مار دو لیکن میں بھوک کی برداشت نہیں کر سکتا"۔
"نہیں۔ میں ایسا ظالم نہیں ہوں۔ اگر آپ نے اپنے گناہوں سے توبہ کر لی تو میں آپ کے لئے بہت نیک تجویز پیش کرونگا۔ یقیناً آپ اُس سے فائدہ اُٹھائیں گے"۔
"بیان کرو۔ میں وہ تجویز سننا چاہتا ہوں"۔
"تین دن کے بعد بیان کرونگا۔ فی الحال آپ اُس کونہ میں چلے جائیں۔ کیونکہ یہ جنگلہ دیوار کے ساتھ جا کر پیوست ہو گا"۔
"آہ۔۔۔"
خاں صاحب قیل وقال کرنے لگے مگر جنگلہ اپنی جگہ سے ہٹا اور

اُنہیں دھکیلتا ہُوا دیوار کے ساتھ لے گیا۔ اتنے بڑے ہال میں اُن کی آواز بمنزلہ طوطی کے تھی جو نقار خانے میں چلّانا عبث خیال نہیں کرتی" نوجوان جُھک کر بولا"۔ خان صاحب! مجھے اُمید ہے کہ آپ کوئی ناشایستہ حرکت نہیں کریں گے۔ خصوصاً شور و شر سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ نہ کرینگے"۔

"آہ - میں تو بول بھی نہیں سکتا - میرا تو پیٹ پیٹھ کے ساتھ جا ملا ہے - بولنا کس جانور کا نام ہے"!

واقعی اُس وقت خان صاحب کی حالت پر نوجوان کو بڑا رحم آیا مگر اُس وقت ایسا فعل کرنا ہی مناسب تھا احتیاط سے دروازہ کھول کر باہر نِکل گیا +

باب بارہواں ۱۲

لکھمی رائے خان صاحب کا انتظار کرتے کرتے تھک گیا خان صاحب تاحال روپیہ لیکر واپس نہیں آئے۔ نامعلوم کیا ماجرا ہے جوں جوں دیر ہوتی تھی توں توں اُس کا اضطراب بڑھتا جاتا تھا حتیٰ کہ کچہری بند ہونے کا وقت آگیا رجسٹرار صاحب نے معنی خیز تبسم سے لکھمی رائے کی طرف دیکھا۔ لکھمی رائے اِس میں اپنی بہتری خیال کر کے

کر کے رجسٹرار صاحب کے پاس جا کر بولا "آپ کے خیال میں خانصاحب کے نہ آنے کی وجہ کیا ہے؟"

رجسٹرار صاحب نے کہا "تم بیوقوف نہیں ہو۔ کوئی وجہ ضرور ہے یا تو اُس کے دل میں شروع سے بے ایمانی تھی۔ یا اُس کے پاس اتنی کثیر رقم نہ تھی۔ بہرحال کوئی بات ضرور ہے۔"

"بیشک آپ درست فرماتے ہیں۔"

"تم نے کچھ بیانہ بھی لیا ہوا ہے۔"

"ہاں صاحب دس ہزار روپیہ!"

"تو بس یہ تمہارا ہے۔ تم کو اب کسی قسم کا خوف نہ کرنا چاہئیے امن امان سے گھر جا کر بیٹھئے جس کو ضرورت ہوگی خود تمہارے پاس آئے گا۔"

لکھیمی رائے بندگی کر کے واپس لوٹ آیا۔ دل میں خوش تھا۔ کہ اتنی رقم مفت میں ہاتھ آگئی۔ مگر اس بات سے مطمئن نہ تھا کہ جعفر حسین اس آسانی سے اپنی دس ہزار کی رقم چھوڑ دینے پر تیار ہو جائیگا۔ خواہ کچھ ہو وہ ضرور کوئی نہ کوئی وجہ نہ آنے کی بیان کر دے گا۔ وہ کوئی ایسا ویسا آدمی نہیں ہے۔

انہیں خیالات کے زیر اثر لالہ صاحب اپنے مکان میں پہنچے اور نہایت مطمئن نگاہوں سے ہر چہار طرف دیکھ کر شکنتلا کو آواز دی۔ چند سیکنڈ میں شکنتلا کوٹھے کے زینوں سے آہستہ آہستہ اُترتی ہوئی

نیچے آئی اور نہایت مردہ آواز میں بولی۔

"ہاں بھائیا جی"۔

لالہ صاحب حسب معمول بے اعتنائی کے انداز میں بولے "کوئی میری عدم موجودگی میں نہیں آیا"؟

"نہیں لالہ جی"۔

"اچھا۔ جاؤ"۔

شکنتلا واپس جانے لگی تو اُس وقت وہ کسی کے پاؤں کی آہٹ سُن کر رُک گئی۔ نچلے زینوں سے کوئی آہستہ آہستہ اوپر چڑھ رہا تھا وہ آہٹ بالکل اُس کی سوتیلی ماں سے مشابہ تھی۔ وہ کسی وجہ سے سہم کر کھڑی ہو گئی۔ وہ جس کے آنے کی اُسے اُمید تھی وہ تو نہ آئی۔ البتہ ایک نوجوان خوبصورت چمکیلی آنکھوں سے ہر طرف دیکھتا ہوا نمودار ہوا۔ اُس نوجوان کی صورت اگرچہ بدلی ہوئی تھی اور آنکھیں دلی مُردنی کا ثبوت دیتی تھیں۔ مگر اُن میں وجاہت۔ شان اور سنجیدگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ نوجوان کو دیکھ کر شکنتلا فوراً اوپر کے زینہ پہ چڑھ گئی لیکن کسی خیال سے پھر چند زینے واپس اُتر کر اُس کی طرف گھور گھور کر دیکھنے لگی۔ نوجوان اُس کی طرف سے غیر متوجہ تھا۔ وہ لالہ صاحب کے سامنے جا کر نہایت یاس آمیز آنکھوں سے دیکھ کر بولا "آداب عرض"۔

لالہ صاحب نے اُس کی تسلیم کا کوئی جواب نہ دیا صرف گھبراہٹ

سے کہا: کیا کام ہے"؟
نوجوان آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہوا اُن کے مقابل جا بیٹھا اور مسکرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"بھائی! تم کون ہو؟"

نوجوان نے ایک پُرزہ کاغذ جیب سے نکال کر لالہ صاحب کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور اُن کے بشرے کی یکایک تبدیلی یعنی زردی خوف اور پریشانی کو غور سے مطالعہ کرنے لگا۔

"پریم ... تم پریم ہو"

لالہ صاحب حیران ہو گئے قریب تھا کہ فرطِ مسرت سے اُس کے گلے سے چمٹ جائیں۔ معاً نوجوان نے اُن کے بڑھتے ہوئے ہاتھوں کو روکا اور دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ لالہ صاحب اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولے:۔

"پریم بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ جاؤ۔ میں نے تو سُنا تھا تو پھانسی دیا گیا ہے تم کیسے آ گئے۔ بیٹھو۔ کوئی سُنتا نہ ہو۔ کہو تو دروازہ بند کر آؤں"

شکنتلا یہ منظر سیڑھیوں میں کھڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ پریم نے کنایتہً کہا "لالہ صاحب! آپ تشریف رکھیں دروازے بند ہیں کوئی غیر آنے کی جرأت نہیں کر سکتا"۔

لالہ صاحب دل میں خائف مگر بظاہر ہمدردی کے انداز میں بولے: "اچھا پریم پھر تم کب آئے۔ کہاں رہے۔ تم کو کدھر بھیجا گیا

تھا۔ بیٹا پریم سچ بتاؤ۔ آہ تم . . .

لالہ صاحب جلدی میں کچھ کا کچھ کہہ گئے۔

پریم نے آواز دبا کر کہا "لالہ صاحب جو اس درست کیجئے دیکھئے میں آپ کو اپنی داستان سنانے نہیں آیا ہوں۔ میں آپ سے صرف مول مرت وصول کرنے آیا ہوں۔ جو آپ نے ایک بدسرشت سیاہ دل افسر پولیس کے ساتھ شرکت اختیار کر کے میری معصوم والدہ کے قبضہ سے چھین لیا تھا۔ کیا آپ کو یاد ہے؟"

لالہ صاحب پریم کا منہ تکنے لگے۔ دل اُن کا زور زور سے دھڑکنے لگا۔ پریم یکایک تبدیلی رنگت۔ رنج و کرب کی حالت کو محسوس کر کے اپنی بھولی بھالی آنکھیں آگ کی طرح روشن کر کے بولا۔

"او ظالم ہستی! تو نے غیر دل سے ہی بے اعتنائی کا سلوک نہیں کیا بلکہ اپنی معصوم فرشتہ لڑکی کو بھی تباہ کیا ہے۔ اِس کا قصاص قدرت تم سے ضرور لے گی۔ یقین رکھ کہ یہ تیری زندگی اب خوشحالی کے دامن سے آزاد ہونے والی ہے۔ اب تو کتے کی موت مرنے والا ہے

لالہ صاحب گو دل کے بد تھے ضمیر اور عقل سے انہیں مس نہیں تھا۔ تاہم انسان تھے۔ اُن کے دل میں بھی خون دورہ کرتا تھا دولت کی طاقت موجود تھی۔ رسوخ کا جادو موجود تھا۔ ایسی حقارت آمیز سچی اور کڑی باتوں سے اُن کا خون اُبلنے لگا۔ دل غصہ سے دھڑکنے لگا۔ حتیٰ کہ بشرے پر خون کی سرخی نمودار ہوئی اور نیم بیہوشی

کی حالت میں اُٹھ کھڑے ہوئے معلوم ہوتا تھا وہ کوئی سنگین کارروائی کرنا چاہتے ہیں۔ معاً پریم نے اپنے ہاتھوں کو حرکت دی اُس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی شیشی تھی۔ سرعت سے اُس پر چھڑک دی۔ لالہ صاحب جوں کے توں بیٹھ گئے۔ اُوئی اُوئی کر کے ہاتھ ملنے لگے بدن کے روئیں روئیں میں آگ لگ گئی۔ کپڑوں کے اوپر سُرخ قطرے دکھائی دینے لگے۔ جسم کے اندر زہر کی طرح سرائت کر گئے۔

یہ حال دیکھا تو شکنتلا بھی اوٹ سے نکل آئی۔ باپ کی کس مپرسی اور بدحالی نے نازک دل لڑکی پر خاص اثر کیا۔ وہ دوزانو ہو کر پریم کے قدموں پر گر گئی۔ پریم کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ لالہ صاحب چلانا چاہتے تھے مگر کسی خاص اثر دوائی سے اُن کی آواز نہ نکلتی تھی۔ گلا بھاری ہو گیا تھا۔ آنکھیں جھپس گئی تھیں۔ ہاتھ اور پاؤں اینٹھ رہے تھے۔ ماہی بے قرار کی طرح تڑپنے لگے۔

شکنتلا نے اُن کی حالت کا احساس کیا۔ دل کی حرکت بند ہو گئی۔ باپ کی ردی حالت معصوم لڑکی کے دل پر مہلک اثر چھوڑ گئی۔ پریم مطمئن اور بے لوث دل کی حرکت لئے سامنے ڈٹا رہا۔ پریم کے بشرے پر کسی کینہ کی جھلک نہیں تھی۔ اور نہ اُس کے دل میں درد اور کراہت کا احساس معلوم ہوتا تھا۔

شکنتلا اُٹھی۔ گری۔ پھر اُٹھی پھر پریم کے قدموں پر گری۔ پریم! پریم! میرے باپ کو بچاؤ۔ میرے باپ کو بچاؤ۔"

پریم کچھ بھی منہ سے نہ بولا۔ بدستور لالہ صاحب کو دیکھتا رہا۔ اُن کی ہر حالت اور حرکت پریم کے لئے دلکشی کا منظر پیش کرتی رہی۔

"میرا باپ۔ میرا باپ۔ پریم! میرے باپ کو بچاؤ"

"بھولی شکنتلا افسوس نہ کر۔ قدرت کا انصاف ہونے دے۔ تجھے ایسے باپ کی کیا ضرورت ہے"

"آہ۔ نہیں نہیں پریم! میرے باپ کو مت مارو" میرا باپ ... شکنتلا بیہوش ہو کر گر پڑی۔ پریم نے شکنتلا کی طرف غور سے دیکھ کر ایک قطرہ اشک گرایا۔ منہ میں صرف یہ کہا "نا کتخدا لڑکی دس بچوں کی ماں معلوم ہوتی ہے"۔

پندرہ منٹ کے بعد لالہ صاحب کو بولنے کی طاقت آئی اور وہ بمشکل ہانپنے کانپتے کہنے لگے۔ "پریم! تم نے یہ کیا کیا جو بلا سمجھے بوجھے ایک بے گناہ مُربی کو اذیت پہنچائی"۔

پریم نے حقارت بھری آنکھوں سے دیکھ کر کہا۔ "لالہ صاحب! کیا اب بھی آپ کو اپنی بے گناہی پر ناز ہے"۔

"ہاں پریم! میں سچ کہتا ہوں۔ تم کو دشمنوں نے غلط خبر دی ہے میں شروع سے ہی تمہارا خیر خواہ رہا ہوں۔ لیکن تم نے مجھے ناواجب سزا دی ہے"۔

"کیا آپ نے جعفر حسین سے مل کر میری دولت ہضم نہیں کی کیا آپ نے چندرہ سے ہمدردی کرنے کی بجائے اُسے نقصان نہیں

پہنچایا۔ کیا آپ نے میری ماں کو پولیس والوں سے زدوکوب ہوتے نہیں دیکھا تھا؟"

"آہ چندرہ سے میں نے حتی المقدور ہمدردی کا سلوک کیا ہے۔ وہ میرے گناہگار ہونے کا یہ بھی ثبوت نہیں ہو سکتی۔ رہا زدوکوب کا معاملہ اُس کے متعلق میں برملا کہنے کو تیار ہوں کہ پولیس والے کسی کا لحاظ نہیں کرتے۔ وہ ہر ایک مجرم اور اُس کے لواحقین سے ایسا ہی سلوک کرتے ہیں۔ اور جو تم کہتے ہو کہ میں نے روپیہ جعفر حسین کے ساتھ مل کر کھایا۔ اُس کے متعلق میں گنگا جلی اُٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ میں روپیہ لینے پر رضامند نہ تھا مگر کیا کرتا اُس وقت اُس نے کہا اگر سرکار کے گھر چلا گیا تو کسی دوسرے کو خاک فائدہ پہنچے گا۔ آؤ ہم دو تو بانٹ لیں۔ چنانچہ ہم نے بدقسمتی سے اُس کو بانٹ لیا۔ جو اب بھی تمہارے مطالبہ کرنے پر ہم حاضر خدمت کرنے کو تیار ہیں"

"او ابلیس ثانی کیوں باتوں سے دوسرے کا گھر پورا کرتا ہے اب تو روپیہ تو دیگا ہی جب سر پر ڈنڈا برسنے لگا۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ تو نے بجائے ہمدردی کے ہم سے سلوک کیسا کیا ہے۔ کیا تو اس کا بھی ثبوت رکھتا ہے۔ کہ جو مال ہمارا تمہارے پاس امانت پڑا تھا۔ وہ تو نے میری والدہ کو درپردہ یا برملا واپس کر دیا ہے؟"

"آہ۔ اس سے میں خود نادم ہوں۔ میں گورمنٹ کے خوف سے ایسا کرنے کی جرأت نہیں کر سکا۔"

"یہ بالکل لغو ہے۔ میں تیری سرشت سے بخوبی واقف ہوں تیری سزا موت ہے اور وہ موت بھی نرالی ہوگی۔"

"آہ۔ مجھے مت مارو۔ میں بے گناہ ہوں۔"

"پاجی کہیں کا۔ اپنے آپ کو بے گناہ کہہ رہا ہے۔ جس قدر تو طاقت۔ رسوخ۔ دولت اور وجاہت رکھتا تھا۔ اُس سے ہمارا بچ نکلنا معمولی بات تھی۔ تو نے —— ہماری بہتری کے لئے ذرا بھی کوشش نہیں کی۔ تیری گنہگاری دوسرے لوگوں کی نسبت بہت بڑھی ہوئی ہے۔ تجھ پر رحم کرنا ایک گائے کے قاتل کو آزاد کر دینے کے برابر ہے۔"

"آہ۔ مجھے مت مارو۔ میری پیاری شکنتلا مر جائیگی۔"

"سنگدل انسان! یہ سب باتیں تیری ظاہرداری کی ہیں۔ تو نے اپنی معصوم لڑکی سے کوئی نیکی نہیں کی۔ تو نے اپنی چاہتی بیوی کے کہنے پر اسے لونڈی بنا رکھا ہے۔ بے شرم! تو اندھا ہے۔ یہ اُس کے کھانے پہننے کے دن ہیں۔ تو خود باوجود سفید ریش ہونے کے نوجوان بیوی سے عیش کے مزے لوٹتا ہے۔ اور وہ غریب اپنے جذبات کو اندر ہی اندر دبائے تم دو کی خدمت کرے۔ اے لعنت ہے تیری اس مکروہ کارروائی پر۔ اتنی جوان لڑکی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا نا کتخدا ہونے کے باعث والدین پر حرام ہو جاتا ہے۔ مگر تو نے حسب منشا اس کی غور و پرداخت نہیں

کی مجھے سب علم ہے۔ تو اس کمینہ پن کے بعد یونہی خلاصی نہیں پا سکتا۔

"آہ۔ مجھے معاف کر دو۔ میں شکنتلا کو اب تمہارے ساتھ بیاہ دینے کو تیار ہوں۔ مجھ سے اور بھی جو چاہو لے لو۔ میں نے جو بھی کیا ہے اندھیرے میں کیا ہے"۔

"خاموش اے شیطان سیرت انسان۔ اب تیرے گناہ کی تلافی سوائے تیری جان لینے کے نہیں ہو سکتی۔ شکنتلا کے مقدس دل پر اپنی اس ناپاک حرکت سے ضرب پہنچا۔ اس کا پیار تیری خباثت کی وجہ سے ہلاک ہوا ہے۔ اب یہ بھی اس کے لئے پابند قول رہے گی۔ اس نے آہنی عہد کیا ہے"۔

ان حالات کو جو لالہ صاحب اور ان کی شکنتلا کے سوائے کوئی نہیں جانتا تھا پریم کو کیسے علم ہو گیا۔ لالہ صاحب دل میں سخت حیران ہوئے۔ انہوں نے خیال کیا شاید شکنتلا اس سے پہلے ہی یہ سب حالات بیان کر چکی ہے۔ بے گناہ شکنتلا پر انہیں بڑا طیش آیا۔ کچھ حالات تو پریم کو دولت رام سے معلوم ہو چکے تھے اور کچھ اس نے اپنی عقل سے معلوم کر لئے تھے۔

پریم نے لالہ صاحب کے دلی حربے کا اندازہ لگایا۔ معصوم شکنتلا پر رحم کی نگاہ ڈالی اور اپنے دل میں اسے عقیدت سے دیکھ کر کہا۔

"معصوم لڑکی کا اب کیا بنے گا"۔

اتنے میں شکنتلا کو ہوش آ گئی اور وہ انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھی سامنے

باپ کو ہوش میں بات چیت کرتے دیکھا۔ پریم بھی ایک طرف بدستور کھڑا تھا۔ اُسے ندامت سی ہوئی۔ فوراً سنبھل کر کھڑی ہو گئی۔ اور کسی بات کا پتہ لگانے کی غرض سے باپ کے چہرے کی طرف غور سے دیکھنے لگی۔

لکھمی رائے نے مُردہ آواز میں کہا" پریم! جو بھی کچھ ہوں۔ جیسا بھی ہوں۔ مجھے معاف فرماؤ۔ آخر غلطی انسان سے ہی ہو جاتی ہے ہر ایک غلطی کی مرض کی طرح دوا بھی ہے"

"ہے۔ پریم نے کرخت آواز میں کہا۔ اگر ہے تو لاؤ میری بچھڑی ہوئی ماں۔ لاؤ میری لٹی ہوئی شہرت اور جان سے عزیز عزت واپس کر دو۔ لاؤ! لاؤ!! انسانی قالب میں شیطانی روح۔ اگر تم میں طاقت ہے تو میری پیاری چندرہ کی عصمت لاؤ۔ میری کھوئی ہوئی طاقت وصحت دو میری غیر معمولی ذہنی قابلیت لاؤ۔ اگر تم میں واقعی نقصان کی تلافی کر دینے کی طاقت ہے تو میری طاقت۔ صحت۔ فرحت اور حرمت واپس لاؤ۔ میں تم کو کچھ نہیں کہتا۔ میں تم لوگوں کو چھونے تک کی بھی سزا نہ دونگا۔ اگر تم میں غیرت ہے تو اپنی زبان کا پاس رکھو۔ اور مذکورہ بالا نقصان کی تلافی کرو۔ ورنہ ......

پریم کی آنکھوں سے مارے غصّہ کے چنگاریاں نکلنے لگیں منہ سے کف جاری ہو گیا۔ اور شکل ہیبت ناک ہو گئی جس کو دیکھ کر لالہ صاحب کانپ اُٹھے اور بیہوش ہو گئے ✤

باب تیرہواں

پریم چند منٹ تک سکوت اختیار کئے کھڑا رہا۔ آخر کسی کار آمد نتیجہ پر لالہ صاحب سے گویا ہوا۔ آپ اوپر کی منزل میں تشریف لے چلیں۔ میں آپ کو چلانے کے لئے آزاد نہیں چھوڑنا چاہتا۔ اگر آپ نے اب بھی دانائی سے کام لیا تو میں آپ کو آج تمام ایک فائدہ بخش مشورہ سے مستفیض کروں گا۔ کہئے آپ کو میرے حکم کے آگے سرنگوں ہونے میں کوئی تامل ہے؟"

لالہ صاحب غور کر کے بولے "پریم! میں جانتا ہوں اگر میں کوئی حیل وحجت کرونگا تو میرے حق میں مفید ثابت نہ ہوگی۔"

"تو خاموشی سے اوپر چلے آئیے۔ کہ وہ تجویز بھی پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے جو میں نے ابھی ابھی تمہارے لئے اپنے دماغ میں اختراع کی ہے"

لالہ صاحب کراہت سے آنکھیں موند کر بولے "بیٹا پریم میرے گناہ بخش دو۔ میں اپنے کئے پر خود نادم ہوں۔ میری دولت۔ زندگی اور سب کچھ اب رفاہ عام میں خرچ ہونگے۔ اب تم زیادہ سختی کو کام میں نہ لاؤ"۔

"لالہ صاحب! آپ کیوں گھبرا رہے ہیں۔ میں نے جو کہہ دیا ہے

کہ شام کو آ کر میں شرط پیش کر دونگا۔ اِس وقت آپ اوپر چل کر میرے ارادہ کو پورا ہونے دیں"۔

لالہ صاحب خاموش اوپر کے زینوں میں چڑھنے لگے۔ اوپر کی منزل میں صحن سے گذر کر پریم نے ایک کوٹھڑی کو بنظرِ غور دیکھا۔ اور لالہ صاحب کو اشارہ سے اُس میں جانے کو کہا۔ لالہ صاحب اُس کے منہ کی طرف تک رہے تھے۔ پریم نے اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ جس سے لالہ صاحب دہشت زدہ ہو کر جلدی سے کوٹھڑی میں داخل ہو گئے پریم نے اندر جا کر لالہ صاحب کو ایک شیشی سنگھا دی اور باہر نکل کر دروازے کو قفل لگا دیا۔ شکنتلا ساتھ تھی پریم کی ہر حرکت اور انداز کو مطالعہ کر رہی تھی۔ دلی بیخودی اور اضطرابی کی وجہ سے زبان سے کچھ اظہار نہ کر سکتی"۔

پریم نے شکنتلا کو ہمدردی سے دیکھ کر کہا۔

"شکنتلا! آؤ میرے کام میں ہاتھ بٹاؤ۔ اور باپ کی زندگی کی خاطر دولت اور شہرت کو لٹا دو۔ آؤ۔ میرے ساتھ نیچے آؤ"۔

شکنتلا خاموش صحن میں کھڑی رہی۔

پریم نے اُس کا شانہ ہلا کر کہا "شکنتلا! اتنی اضطرابی دیکھو ابھی تم نے بہت کام کرنا ہے۔ آؤ ایسے باپ کی بربادی سے لوگوں کے لئے عبرت چھوڑ جاؤ۔ جو دنیا میں ہمدرد ہو کر خود غرض۔ مغرور اور سنگدل بننے پر آمادہ ہو گیا ہو۔ اس کی دولت کی ایک ایک پائی غریبوں کے

بیہوش نہ کر لیا۔ جس سے اس کو باپ کی بربادی کا منظر دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ لیکن وہ دل میں حیران نہ تھا۔ کہ اُس سے لاتنا گناہ سرزد ہو گیا ہے۔ وہ جس طرح کا غمزدہ۔ افسردہ اور مصیبت زدہ تھا اُس سے ایسی غلطی ہو جانی ممکن ہی تھی۔ وہ زیادہ وساطہ اور نمائش ظاہر نہ کرنا چاہتا تھا۔ اور نہ اُسے خواہش تھی کہ وہ دنیا میں اب زیادہ دیر تک قیام پذیر رہے۔ اُس کے دل میں جس قدر غم و آلام کا سمندر موجزن تھا وہ سب ماں کی موت دوستوں کی ستمگاری اور چندرہ کی بربادی کا اثر تھا۔ ورنہ وہ انسانوں کا دشمن نہ تھا۔ نہ اُسے سوسائٹی اور ملک سے کسی قسم کا عناد تھا۔ وہ بھی نیک اور بردبار نوجوان تھا۔ جس کی جوانی۔ زندگی اور شہرت یک قلم ظالم لوگوں کی دشمنی نے معدوم ہو گئی اُس کے دل کی چین اور مستقبل کی پُرعظمت بنت موہوم کا نام نظر آنے لگی بیگو میں نہ کسی کی بربادی منصور تھی نہ خوشی۔ دل کی مجبوری نے مستحق اور قابل لوگوں کو سزا بھی دلائی اور جزا بھی۔ عاقبت کے لئے اُس کے پاس کیا تھا۔ فقط عصمت اور وہ بھی چندرہ کی خوشنودی کے لئے دل کے خزانے میں چھپا رکھی تھی۔ چندرہ کا تاحال ملاپ نہیں ہوا۔ دولت رام کی بیوی بچوں کو دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔ اُس کے دل و دماغ میں رہ رہ کر خیال اُٹھتا تھا۔ لیکن روح کی گہری آواز میں اُس کا تاحال ملنا مفید نہ تھا۔ اس کی وجہ پریم ہی نہ جانتا تھا نہ کوئی اور۔ ایک تلقین تھی جو اُس کے قلب بے قرار سے انجام پا رہی تھی۔

خون کا قطرہ ہے۔ دیوی! مت ڈرو۔ میں تمہاری بہتری کے لئے کہہ رہا ہوں۔ افسوس کرنا نادانی ہے۔ ایسے انسان کی موت سے کبھی رنج نہیں کرنا چاہئے۔ تمہارا باپ اگر سچے معنوں میں انسان ہوتا تو آج زمانہ بھر میں اُس کی بدخوئی نہ ہوتی۔ اور نہ اس سے اس قسم کے افعال قبیحہ کا ارتکاب ہوتا۔ وہ انسان نما حیوان ہے۔ دولت نے اُسے شیطان بنا دیا ہے۔ تم شیطان کی موت پر افسوس نہ کرو۔"

شکنتلا دو زانو ہو کر بیٹھ گئی۔ پریم نے پرسکوت نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔ آخر وہی شیشی جو اُس کے باپ کو سونگھائی تھی سامنے پیش کرتے ہوئے کہا۔

"شکنتلا! یہ دوائی تم کو چند گھنٹہ تک بیہوش رکھے گی۔ میں نہایت عاجزی سے تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اگر تم اجازت دو تو میں اسے تمہارے ناک سے لگا دوں۔ اگر تم میری اس درخواست کو قبول کرو تو اُمید ہے کہ میں بھی کسی وقت تمہاری کچھ خدمت کر سکوں گا۔ میرا یہ عہد کیکئی کی طرح کسی خاص موقعہ کے لئے اپنے دل میں پوشیدہ رکھو اور مجھے اپنے حسبِ منشا انتقام لینے کی اجازت دو۔"

شکنتلا کانپ کر بیہوش ہو گئی۔ پریم نے آہ سرد بھری اور اُس کے نازک رخساروں کو نگاہِ غور سے دیکھ کر پیچھے ہٹ گیا۔ اُس کے دل نے اجازت نہ دی کہ اس نازک اور کمزور لڑکی کو اس طرح کی تکلیف دے وہ اس بات سے پشیمان تھا کہ اُس نے اس سے پہلے اُسے کیوں

پریم خاموش شکنتلا کو اُسی حالت میں چھوڑ نیچے اُترا اور تھوڑی دیر تکلیف کر کے آہنی الماری کی چابیاں تلاش کیں۔ کل کاغذات۔ نقدی اور بہیاں ایک کپڑے میں باندھیں۔ ذرا تحمل کر کے سانس درست کیا اور گٹھڑی کو اُٹھا کر ایک کوٹھڑی میں بند کیا اور خود نیچے اُتر گیا۔ دروازے پر اپنی جیب سے ایک قفل نکال کر چڑھا دیا اور خراماں خراماں کوچہ سے باہر نکل آیا۔ راستہ میں اُسے اپنی مرحوم ماں کا مکان دکھائی دیا جس میں اُس بوڑھی عورت نے کچھ عرصہ زندگی بسر کی تھی۔ اُس کو دیکھ کر پریم کی یاد تازہ ہو گئی۔ وہ پلکوں میں آنسو چھپائے گردن جھکائے خاموشی سے گزر گیا۔

باب چودہواں

دولت رام کی بیوی نے جیسا کہ دولت رام نے پریم کو یقین دلایا تھا چندرہ سے بہت مہربانی کا سلوک کیا اور اُس کی دلجوئی و خاطر مدارات میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ چند ماہ تک تو چندرہ بھی مردہ دلی سے پڑی رہی۔ آخر حوصلہ کیا چارپائی سے اُٹھی اور اپنی غمگسار سہیلی سے پوچھا "بھائی جی کی کوئی چٹھی تو نہیں آئی؟ خیر ہو۔"

دولت رام کی بیوی نے مسکرا کر کہا "بہن! آپ جانتی ہیں۔

پلٹن میں نوکر ہیں۔ اور آج کل پلٹنیں جنگلوں میں ماری ماری پھرتی ہیں۔ کیا معلوم وہ کہاں ہیں؟"

چندرہ نے آہ سرد بھر کر کہا "کاغذ قلم۔ دوات لاؤ۔ میں اُن کے افسر کو تار بھیجتی ہوں۔ تاکہ اُن کی خیریت سے مطلع کرے"۔

"بہن تم تکلیف نہ کرو۔ آپ ہی آجائیگی"۔

چندرہ نے اصرار سے کہا تو وہ کاغذ اور قلم دوات لے آئی۔

چندرہ نے دولت رام کے افسر بالادست کو چھاؤنی بلوچستان میں ایک تار لکھی اور خود ہی تار لے کر گھر سے باہر نکلی گو شرم کے مارے اُس کی گردن نہ اُٹھتی تھی لیکن زندہ دلی کے اُن اثرات کو جو اُس کی زیست سے مفقود ہو چکے تھے از سر نو تازہ کر کے بازار سے گذرتی ہوئی تار گھر میں پہنچی اور جوابی تار کے لئے اپنی گرہ سے قیمت ادا کی۔

اُسی شام کو دولت رام کی طرف سے تار آئی مفصل حالات کے لئے لفافہ کا انتظار کرو۔

چار دن کے بعد اُن کو ایک رجسٹری لفافہ ملا۔ اُس کو کھول کر چندرہ نے اُس کی بیوی کو سُنایا۔

مگر یکایک یہ پڑھکر کہ چندرہ سے کہہ دو "تمہارا پیارا سلامت ہے خوشی مناؤ غمگینی اور مردہ دلی ترک کردو۔ وہ عنقریب تمہیں آملے گا" تو چندرہ مارے حجاب اور مسرت کے زمین میں گڑ گئی۔ اُس کی تو باچھیں کھل گئیں آنکھیں چمک اُٹھیں۔ آخری سطور میں لکھا تھا

میں اُس کی رہنمائی میں چلا جاتا تھا۔ راستہ میں ڈاکوؤں سے مقابلہ ہوگیا۔ وہ تعداد میں ہم سے بہت زیادہ تھے۔ میرے باقی ساتھی تو بچ بچا کر نکل گئے لیکن میری دہنی ٹانگ میں ضرب شدید آئی۔ اُمید ہے ٹانگ کاٹ دی جائے گی۔ اگر ایسا ہوگیا تو میں عنقریب ہمیشہ کے لئے تم سب کے پاس چلا آؤں گا کیونکہ میں ایسی صورت میں فرائض نوکری کو انجام دینے سے قاصر ہوں اور اُمید ہے کہ پنشن مل جائیگی"

ایک طرف سے خوشی نصیب ہوئی تو دوسری سمت سے رنج پیدا ہوا۔ چندرہ دل میں بہت مسرور تھی۔ اُسے ایک ایسے ساتھی کے دوبارہ ملنے کی اُمید ہوگئی جو اُس کی دانست میں مر چکا تھا۔ اور جس کے بغیر دنیا اُسکی نظروں میں ویران معلوم ہوتی تھی۔"

دولت رام کی بیوی کو گو یہ خبر سُن کر رنج ہوا کہ اُس کا خاوند اب لنگڑا ہوگیا ہے لیکن پنشن اور دائمی آزادی کے لفظ سے کچھ تسکین سی ہوگئی۔ اور اشتیاق ملاقات دل میں گدگدیاں کرنے لگا۔

چندرہ نے اُسے بہنوں کی طرح تسلی دی۔ دو چار دن میں دونوں پھر باہم شیر و شکر ہوگئیں۔ دونوں کو اپنے جان سے پیارے محبوبوں کو ملنے کی چاہت تھی۔ ایک دوسرے کے جذبات کو تاڑنے لگیں۔ ہر وقت یہی تذکرہ چھڑا رہتا۔

چندرہ کو دولت رام کی پُر اسرار تحریر سے اندیشناک حالات کو پا گئی تھی لیکن اُسے اشتیاق ملاقات نے ایسا بیخود کر دیا کہ وہ اپنے مستقبل

پر غور نہ کر سکی۔ اور دیدار کرکے مرنے کا تہیہ کر بیٹھی۔

اُس کی روح کی گہرائی کو کون پہنچے۔ وہ ستی۔ نیک۔ ذہین اور خوش خلق لڑکی تھی۔ اُس کی نرگسیں آنکھیں۔ سُنہری زلفیں۔ ماہتاب بر عالمتاب چہرہ۔ پاکیزہ جذبات سب عصمت کی بربادی سے برباد ہو چکے تھے۔ وہ اپنے آپ کو پریم کے ناقابل سمجھتی تھی۔ اور اس ناقابلیت کو ایک دفعہ کے دیدار پر قربان کر دینا چاہتی تھی۔ اُس کی زندگی حقیقی طور سے پاک تھی لیکن اُس کی نگاہوں میں اُس سی گری ہوئی ہستی دنیا میں اور کوئی نہیں تھی۔ وہ اپنے آپ کو سخت حقیر سمجھتی تھی۔ اور یہ حقارت اُس کی اپنی ہی عزیز زندگی کی گاہک ہو رہی تھی۔

دو دن تک وہ اپنے پیارے کی راہ دیکھتی رہی۔ ایک دن اپنے پُرانے مکان میں گئی۔ ایک دن لکھمی رلئے کے مکان میں پہنچی۔ مگر پریم نظر نہ آیا۔ کوئی اُس کی سی پیاری صورت دکھائی نہ دی۔ کوئی ایسا شناسا بھی دکھائی نہ دیا۔ جیوں جیوں وقت گذرتا جاتا اُس کے دل کا اضطراب بڑھتا جاتا۔ پریم نہیں آیا۔ پریم آگیا ہے۔ ملنے نہیں آیا۔ پریم آگیا ہوگا۔ ماں کی خبر سُن کر واپس لوٹ گیا ہوگا۔ پریم آتا ہوگا چندرہ کو مل آؤں۔ پریم آئے گا۔ اپنی راہ صاف کرکے۔ پریم آئے گا اپنے دشمنوں سے بدلہ لینے۔ انہیں خیالات میں پڑی ہوئی چندرہ وقت گذار دیتی۔ مگر پریم کی صورت خواب میں بھی نظر نہ آتی۔

ایک دن اچانک چندرہ نے ایک آدمی کی زبانی سُنا ایک لائق

لاہور اسٹیشن کے قریب لائن پر پڑی پائی گئی ہے۔ بہت خوبصورت لڑکا تھا"۔

چندرہ کے دل میں خطرہ پیدا ہوا کہیں پریم نہ ہو۔ کہیں میری بربادی اور ماں کی موت کے صدمہ سے خودکشی نہ کر لی ہو۔ اسی کمزوری اور رنج دلی سے اُس نے دولت رام کی بیوی کو ساتھ لیا اور اسٹیشن کی طرف سیر کی خاطر نکل گئیں۔ وہاں ایک قلی کو جو سن رسیدہ تھا اور کسی قدر غریب اور رحم دل معلوم ہوتا تھا اپنے پاس بلا کر اُس سے پوچھا "بابا! تم کو معلوم ہے وہ آدمی جو لائن پر مردہ پایا گیا ہے۔ اُس کو کہاں رکھا گیا ہے"۔

بوڑھے نے ہنس کر کہا "بیٹی مردہ ہمیشہ قبر میں رکھا جاتا ہے لہذا اُسے بھی غالباً قبر یا چتا میں رکھا گیا ہو گا"۔

"بابا! یہ بات کون انسان نہیں جانتا۔ میرا مطلب پوچھنے کا یہ تھا کہ وہ کون تھا اور کہاں کا رہنے والا تھا۔ کچھ معلوم ہوا؟"

"ہاں۔ یہ افواہ سارے شہر میں پھیل رہی ہے۔ وہ امرت سر کا کوئی رئیس تھا۔ رام دھن۔ رام دھن اُس کا نام ہے"۔

چندرہ حیرانی سے اپنی سہیلی کی طرف دیکھ کر بولی "رام دھن امرت سر والا"۔

"بوڑھے نے کہا۔ وہ گاڑی کے تلے آ کر نہیں مرا۔ بلکہ یوں ہی لائن کے باہر مردہ پڑا پایا گیا ہے۔ پولیس والوں کا خیال ہے کہ اُسے

بہت بُری طرح مارا گیا ہے۔ اور مارنے والا موٹر کے ذریعہ مارا گیا ہے"
چندرہ بمشکل دلی گھبراہٹ چھپائے ہوئے سہیلی کے ساتھ واپس لوٹی
اور اس سے بھی دلی کیفیت کہنی مناسب نہ سمجھی۔ دونو گھر میں آئیں۔
اپنی گلی میں آ کر سنا لکھمی رائے کا سب کچھ لٹ گیا ہے"۔

چندرہ کے دل میں شکوک نے ہیجان برپا کر دیا۔ فوراً اس محلہ میں گئی۔ جہاں لکھمی رائے کا مکان تھا۔ گھر کے آگے بھیڑ لگ رہی تھی۔ دیکھا لکھمی رائے مکان کے باہر چارپائی پر ڈالے ہوئے ہیں۔ تمام جسم میں آبلے پڑے ہوئے ہیں۔ چہرہ بالکل چھپا ہوا ہے اُسے دیکھ کر یہ قیاس کرنا محال تھا کہ یہ کسی انسان کا بچہ ہے۔ شکنتلا دروازہ میں بیہوش پڑی تھی۔ پولیس والوں کا جمگھٹا لگ رہا تھا۔

چندرہ اضطراب دلی سے جلدی جلدی شکنتلا کے پاس گئی۔ شکنتلا بالکل بیہوش پڑی تھی۔

چندرہ نے ایک دو عورتوں سے حیران ہو کر پوچھا "ان کو ہوا کیا کب ایسا ہوا"؟

ایک عورت نے خاص انداز سے جواب دیا "سنا ہے آج پانچ دن سے دروازہ بند تھا۔ بڑے بڑے دو تالے لگے ہوئے تھے۔ اور ایک کاغذ دروازے پر چسپاں تھا جس پر لکھا تھا "ہم نہایت ضروری کام کی وجہ سے باہر گئے ہیں" لوگوں اور ہمسائیوں نے کسی قسم کا شک نہ کیا"

دوسری عورت بولی "اس کے باپ کو کیا ہو گیا۔ وہ تو . . . .

تیسری عورت نے شکنتلا کے چہرے کو غور سے دیکھ کر کہا۔ "ہیں! یہ بھی تو اچھی معلوم نہیں ہوتی"۔

چندرہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اُس کو رہ رہ کر کل متعلقین کے سلوک یاد آنے لگے۔ وہ انتہائی کمزوری کے احساس کو لئے واپس لوٹ آئی۔ ابھی وہ کوچہ بندی سے باہر نکلنے نہ پائی تھی کہ ایک پولیس افسر نے معاً اُسے دیکھ کر اپنے ساتھی سے کچھ کہا۔ اُس نے قصاب کی طرح آنکھیں پھاڑ کر چندرہ کی طرف دیکھا۔ چندرہ نے بھی اُن کی مشتبہ نگاہیں دیکھ لیں۔ پہلے تو اُسے صرف اپنا فکر تھا۔ لیکن اب پریم کا غم بھی اُسے کھانے لگا۔ اُس کے انتقام کی آگ روشن ہو چکی تھی چندرہ غیر معلوم طور پر سمجھ چکی تھی اور اپنی آفتائی کی وجہ سے دوسروں کو بھی ایسا ہی سمجھتی تھی۔ اس لئے اُسے دو گنا فکر لاحق ہو گیا۔ اور وہ سراسیمہ اپنے مکان کی طرف بھاگی۔

اُس کا دل ٹھکانے پر نہ تھا۔ فوراً مکان کی اوپر کی منزل پر چڑھ گئی۔ دریچے کی آڑ میں چھپ کر بازار کی طرف دیکھا اور جب یقین ہو گیا کہ میرے تعاقب میں کوئی نہیں آتا۔ تو قدرے مطمئن ہو کر بیٹھی یکایک ساتھ کے ہمسائیوں کی آواز سنی۔ ایک شخص اپنی لڑکی کو کہہ رہا تھا۔ "شکنتلا کو پولیس نے پوچھا تھا۔ اُس نے بتانے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ کہتی ہے مجھے اندیشہ ہے۔ کہ میرے باپ کی نہ بھی ہی

زندگی بھی برباد نہ کر دی جائے۔ وہ شخص بڑی قدرت کا مالک ہے"۔
اُس کی لڑکی نے کہا "بھائیا جی کوئی بڑا ہی سنگدل ہوگا۔ ایسی بے رحمی بھی کوئی کرتا ہے"۔

"بیٹی! ستایا ہوا انسان کچھ نہیں دیکھتا۔ نامعلوم انہوں نے اُس سے کیسا سلوک روا رکھا ہوگا جس کا ایسا سخت پھل پا رہے ہیں"۔

"بھائیا جی! شکنتلا ضرور اُس کو جانتی ہو گی۔ وہ پولیس کے دباؤ سے ضرور اُس کا نام ظاہر کر دیگی"۔

"خیال تو ایسا ہی ہے"۔

"اور وہ آپ نے دیکھا ہے بالکل بولنے سے قاصر ہے"۔

"ہاں بیٹی اُس کی تو زبان ہی کاٹ ڈالی گئی ہے۔ ہاتھ جن سے وہ لکھ سکتا تھا بالکل اینٹھ گئے ہیں"۔

"آہ۔ بیچارہ بالکل ہی مر گیا تھا"۔

"بیشک اب زندگی کس کام کی"۔

"دولت بھی گئی جان بھی گئی"۔

چندرہ شکنتلا کے بتلا دینے والے الفاظ سے سخت گھبرائی۔ وہ دوبارہ گھر سے باہر نکلی پھر اُسی محلہ میں پہنچی۔ کہ اچانک کسی آدمی نے کہا "چندرہ واپس چلی جاؤ"۔

کوئی قریب نہ تھا۔ چندرہ نے اُس کی طرف دیکھا قریب تھا کہ غش کھا جائے مگر سنبھلی۔ "ہیں! یہ ہم . . .

"خاموش! آج شام کو آکر ملونگا"۔
اُس شخص نے اپنے آپ کو لوگوں کی نگاہوں سے بچا کر کہا۔ اور قریب کی ایک تاریک گلی سے نکل گیا۔ چندرہ واپس لوٹ آئی۔ مکان میں چھُپ کر خوب روئی۔ آہ پریم۔ کتنا کمزور ہو گیا ہے۔ پریم سراپا خطرات میں گھرا ہے۔ پریم ہم خاتمے پر ہیں۔ پریم واقعی تو مرد ہے۔ پریم واقعی تجھے انصاف کی پناہ نہ ملی ہوگی۔ پریم ......
چندرہ پُر وحشت آنکھوں سے ہوا میں ہاتھ پھیلا کر آگے بڑھی۔ کبھی پیچھے ہٹی۔ کبھی آپ ہی آپ ہنستی اور کبھی کسی خیال سے رو دیتی موت اور زندگی کی اُلجھن میں غوطے کھاتی رہی۔ مصیبت کی ابتدا ہے یا انتہا اِسی معمّہ کو حل کرتی رہی۔ دُنیا والو۔ خوش قسمت لوگو عیش و نشاط کے دلدادو۔ دیکھو دیکھو آنکھیں جن چیزوں کو ترستی ہیں وہ مل جانے پر بھی انسان اپنی خوشی نہیں دیکھ سکتا۔ دیکھو دیکھو دنیا کی قیمتی۔ نورانی اور اعلیٰ چیز چندرہ کو مل رہی ہے۔ قسمت مل جانے کی اُمید دلا رہی ہے مگر وہ جن سے بدترین لوگوں سے خائف ہے۔ وہ پیشتر پریم کے نہ ملنے سے اُداس تھی۔ اب مضطرب ہے۔ اُس کے مل جانے سے اب خوف دشمناں ستا رہا ہے۔ دل قابو سے جاتا رہا ہے۔ اب اُسے یہ ہی خواہش ہے۔ وہ ملے اور بیری زندگی کے غیر وسیع دامن میں چھپ کر روپوش ہو جائے۔ میں مر جاؤں اور وہ زندہ رہے۔ میں مر کر اُس کے قدموں میں رہوں۔ وہ محفوظ دنیا میں پہنچ جائے۔

چندرہ شام تک چارپائی پر پڑی رہی۔ محبوب کی آمد۔ خیالات کا ہجوم۔ پولیس کا خطرہ۔ چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی دکھائی دینے لگی نورانی جبین سیاہ کار لوگوں کی روکاوٹوں سے پردۂ یاس میں جا چھپی وہ محبوب جس کی یاد میں جس کی آس میں جس کے دیدار میں۔ اپنی زندگی دولت اور خوشی حتیٰ کہ تمام دنیا تک قربان کر دی وہ محبوب آتا ہے اور لوگ اپنی سنگین تلواریں تانے راستہ روکے کھڑے ہیں۔ چندرہ کو غضب آیا۔ رنج ہوا۔ تڑپ ہوئی۔ قلق ہوا۔ بددعائیں دینے لگی۔ اور دیوانہ وار کھڑکی میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ دولت رام کی بیوی لکھمی لڑائی کے محلہ تک گئی تھی وہیں سے بہن کے گھر جانے کے لئے جدا ہو گئی۔ تاحال واپس نہ آئی تھی۔ چندرہ کو اُس کا خیال بھی آیا۔ دروازہ پر کسی نے دستک دی۔ دل دھڑکنے لگا۔ دروازہ قدرے اندر کو دھسا ہوا تھا۔ ڈیوڑھی میں کھڑا انسان دکھائی نہ دیتا تھا۔ چندرہ نے آگے جھک کر دیکھا۔ نیچے کئی آدمی نظر آئے جنہوں نے مکان کا محاصرہ کر لیا تھا۔ چندرہ نے جلدی سے دروازہ کھولا۔ پانچ آدمی یکدم اندر داخل ہوئے۔ لیکن اُن کے ساتھ ہی ایک سیاہ پوش داخل ہوا اُس نے فوراً اپنے اوپر کے کپڑے کو دور پھینک دیا۔ چندرہ نے خفیف سی روشنی میں دیکھا ایک اُس کا پیارا پریم اور پانچ پولیس والے تھے۔

باب پندرہواں

"چندرہ لالٹین یہیں رکھ دو۔ جہاں تم کھڑی ہو اور خود تھوڑی دیر کے لئے اوپر چلی جاؤ۔"

چندرہ نے بے ساختہ کہا "میں تم کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔"

پریم نے چندرہ کی طرف دیکھ کر کہا "میں اب کہیں نہیں جاتا۔ تم یقین کرو۔ میں اب تمہارے لئے زندہ ہوں۔ قدرت کے سوا مجھے کوئی انسان نہیں مار سکتا۔"

چندرہ مصلحت سمجھ کر چند زینے اوپر چڑھ گئی لیکن آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ کر کے اس منظر ہوشربا کو دیکھنے لگی۔

پریم نے چندرہ کی طرف سے اطمینان حاصل کر کے ان پانچوں آدمیوں کو مخاطب کر کے کہا "کیا تم میرے سوال کا صحیح جواب دے سکتے ہو۔ کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

ان پانچ میں سے ایک قدرے سختی کے انداز میں بولا "ہم تم کو کچھ جواب نہیں دے سکتے۔ تمہاری باتوں کا جواب ہمارے افسران اعلیٰ ہی دے سکتے ہیں۔"

"اور اب تم مجھ سے کیا امید رکھتے ہو؟"

"ہم کو چندر ہ کی وجہ سے تم پر بھی شک ہے ۔ لہٰذا ہم تم کو افسران بالا کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں"۔

"دوستو! چندرہ پر تمہیں کیونکر شبہ ہے ذرا تفصیل سے کہو؟"

"اگر تم شہر کے رہنے والے ہو تو جان گئے ہو گے ہم چند سنگین واقعات کی وجہ سے اس کے تعاقب میں بھیجے گئے ہیں ۔ نیز اب ہم کو تم پر بھی کچھ شک ہو گیا ہے ۔ لہٰذا تم کو اپنی حراست میں رکھنا چاہتے ہیں"۔

پریم مسکرا کر بولا "کیا آپ ہم دونوں کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں"۔

"نہیں ۔ بشرطیکہ آپ ہمارے ساتھ امن و امان سے چلنے پر رضامند ہو جائیں"۔

"تو دوستو میں بھی تم کو ایک مفید رائے سے فیضیاب کرنا چاہتا ہوں کہ اپنی قیمتی جانیں مفت میں ضائع نہ کرو ۔ میں ایک مشہور ڈاکو ہوں اور مجھے قدرت کی طرف سے قوی دسترس حاصل ہے جس کی وجہ سے میں اپنے زبردست دشمنوں کو بھی مغلوب کر لیتا ہوں ۔ اگر تم اپنی خیریت چاہتے ہو ۔ تو تھوڑی دیر کے لئے باہر نکل جاؤ ۔ ورنہ میں تم سب کو موت کے گھاٹ اُتار دوں گا ۔ دیکھو دیواریں بلند ہیں پڑوسی میلہ دیکھنے گئے ہوئے ہیں ۔ کوچہ میں کوئی نظر نہیں آتا ۔ تمہاری آواز گم گشتہ لوگوں کی طرح دُنیا سے معدوم ہو جائیگی"۔

پانچوں اُس کی نازک آواز سُن کر ہنس پڑے اور طعن سے بولے "واہ رے رستم ثانی"۔

پریم کی آنکھیں چمک آئیں اور اپنے ہاتھ کو اُٹھا کر بولا "بس خبردار اگر کوئی لفظ زبان سے نکالا تو خیر نہ ہو گی"۔

ایک کے سوا باقی سب کھِلکھِلا کر ہنس پڑے ۔ اور کہا "ہم پولیس والے ہیں۔ پولیس والے"!

پریم نے اپنے بلند ہاتھ کو حرکت دی اور اُس کی انگلیوں میں سے یکایک برقی کشش سے کچھ دھواں سا نکلا ۔ جو کہ انکی طرف جاتا دکھائی دیا۔ چشم زدن میں پانچوں آہ آہ کر کے فرش پر آ رہے ۔

"بس فانی ارواح کے انسانوں! اب تم حشر کے دن بھی نہ اُٹھ سکو گے تم نے ناجائز طاقت سے فائدہ حاصل کرنا اپنا شیوہ بنا لیا ہے ۔ تمہاری سزا سوائے اِس کے اور کچھ نہیں"۔

چندرہ دوڑتی ہوئی سیڑھیوں سے اُتری اور پریم کے گلے آ لگی۔ پریم بھی از خود رفتہ ہو گیا ۔ اور ہاتھ کو فوراً جیب میں ڈال کر چندرہ کو اوپر کی منزل میں لے گیا ۔ چندرہ قدرے بیہوش تھی ۔ اُس نے ایک ہاتھ سے اُسے کچھ حرکت دی ۔ اور ایک شیشی جیب سے نکال کر سنگھائی۔ جس سے چندرہ نے آنکھیں کھول دیں ۔ اور دوبارہ پریم کے گلے سے لپٹ کر بے اختیار رونے لگی ۔ دیر تک یہی حالت طاری رہی اُسے کچھ خبر نہ رہی ۔ پریم نے اُسے محبت سے گلے لگا کر پیار کیا اور یاس کی آنکھوں سے دیکھ کر کہا ۔

"عزیز چندرہ ہوش میں آؤ"!

چندرہ نے آنکھیں کھول دیں۔

پریم نے آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا "آؤ گوشہ عافیت میں چلیں اور دشمنوں کی بدذاتی سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائیں"۔

چندرہ اُس کا منہ تکنے لگی۔

پریم نے کہا "میں تم کو لینے آیا ہوں۔ چلو میرے ساتھ میں اب تمہاری جُدائی برداشت نہیں کر سکتا"۔

چندرہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

پریم نے کہا "دولت رام کی بیوی کے لئے ایک رقعہ چھوڑ جانا چاہئیے۔ تاکہ وہ پولیس والوں کی دستبرد سے بچی رہے۔ یہ کہکر جلدی جلدی ایک پُرزہ کاغذ پر یہ عبارت لکھی:۔

"دیوی! میں جا رہی ہوں۔ میرا پیارا مجھے مل گیا ہے۔ میں چاہتی تھی کہ تمہارے قدموں میں باقی عمر گذاروں مگر میری وجہ سے تم پر بھی مصیبت نازل ہونے کا احتمال ہے۔ نیز میں تم سے مودبانہ التجا کرتی ہوں کہ اپنی اِس بے گناہ لونڈی کو دل سے نہ بُھلا دینا۔ اور ان آدمیوں کو جو تیری عدم موجودگی میں مجھ پر حملہ آور ہوئے ہیں سرکار کے حوالے کر دینا۔ یہ آپ ہی اپنی موت مرے ہیں۔ اِن کو مکان سے باہر نکل جانے کی مہلت دیدی تھی"۔

تمہاری بدقسمت سہیلی

(چندرہ)

یہ رقعہ چارپائی پر رکھ کر پریم نے ایک پتلا سا کپڑا چندرہ کو دیا۔ کہا اِس کو چہرے پر ڈال لو۔ جب اُس نے چہرے پر پھیلا لیا تو پریم نے آگے بڑھ کر اُس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"سانس اچھی طرح جا رہی ہے نہ؟"

"ہاں!"

بس نیچے آؤ۔ اور کوٹ پگڑی اور جوتا پڑا ہے وہ بھی پہن لو اور میرے ہمراہ چلی آؤ۔ چندرہ چند منٹ کے عمل سے ایک خوبصورت چھوکرا بن گئی۔ چہرہ بالکل غیر آشنا دکھائی دینے لگا۔ دونو نہایت احتیاط سے باہر نکلے۔ پریم کے اشارے سے چندرہ اُس کی چال چلتی ہوئی بازار میں آئی۔ تھوڑے فاصلے پر ایک بند فٹن کھڑی تھی۔ پریم نے آگے بڑھ کر کھڑکی کھولی اور اُسے اندر داخل کر کے کوچوان سے کہا۔

"نیڈو ہوٹل کی طرف چلو۔"

کوچوان نے جواب دیا۔ "اچھا حضور"۔

پریم فٹن کے اندر بیٹھ کر چندرہ کے گلے سے لپٹ گیا۔ اُس وقت وہ بے جگر ہو کر چندرہ کے گلے سے لپٹا رہا۔ دونو کے آنسو بھر بھر دان کی طرح بہتے رہے۔ حتیٰ کہ فٹن ہوٹل کے دروازے پر جا ٹھیری +

باب سولہواں

پریم چندرہ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ہوٹل میں داخل ہؤا۔ مینیجر سے مل کر ایک الگ کمرہ کرایہ پر لیا۔ جب اُس کمرے میں پہنچے دیکھا کوچ بچھے ہوئے ہیں۔ شیشے لگے ہوئے ہیں بجلی کی روشنی سے کمرہ بقعہ نور بنا ہؤا ہے۔ ایک دوسرے کے گلے لگ کر پہلے تو خوب روئے پھر غم کی داستان سنائی۔ لفظ لفظ پر اشک گرائے۔

ساری رات حرف و حکایات میں بسر ہوئی صبح ابھی آفتاب نہیں نکلا تھا۔ دونو ایک عجیب رنگ میں رنگے دکھائی دینے لگے۔ چندرہ کے دل کی مُرجھائی ہوئی کلی کھل گئی۔ دل میں سرور پیدا ہؤا۔ دونو نے یوروپین فیشن اختیار کیا۔ رہی سہی پہچان اُڑا دی۔ رُخسارے زندگی کے نور سے چمک آئے۔ پریم کی احتیاط نے عیاروں کو مات کر دیا۔ دونوں کرایہ کی موٹر میں سوار ہو کر ایک طرف کو نکلے۔ تھوڑی دیر میں موٹر ایک پھاٹک کے سامنے پہنچکر رُکی۔ موٹربان کو واپس کر دیا۔ پھاٹک احتیاط سے کھولا۔ دونو اندر داخل ہوئے۔ پھاٹک بند کر دیا گیا۔ چندرہ نے آہ کر کے چیخ ماری۔ پریم نے اُسے سہارا دیا! کیوں پیاری! اہوش کرو۔ پریم کی زبان سے لفظ نکلے۔ چندرہ نے خوفزدہ آنکھوں سے چاروں

طرف دیکھا لیکن سامنے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

ایک دیوار سے بٹن دبا کر پریم نے کہا "چندرہ ڈرو نہیں۔ وہ دیکھو۔ کون ہے۔ پہچانتی ہو؟"

چندرہ نیم بیہوشی کی آواز میں بولی "پریم۔۔۔ پریم۔۔۔"

"پیاری دیکھو"

"پریم رحم کرنا اچھا ہے۔ اِن کو چھوڑ دو۔"

"نیک دل چندرہ غور کرو۔ کس شخص کے لئے رحم کی سفارش کرتی ہو"

چندرہ نے غور سے دیکھکر اُس شخص کو مخاطب کیا۔ جو رسے سے جکڑا ہُوا چھت کے درمیان لٹکا ہوا تھا۔ اور آنکھیں مارے دہشت اور غم کے خانہ چشم سے باہر نکل آئی تھیں۔ دائیں اور بائیں اس قسم کے آئینہ دار صندوق لگے تھے جن کی کھڑکیاں اُس کے جسم کے ساتھ احتیاط سے پیوست تھیں۔ اُن آئینہ دار صندوقوں میں بڑے بڑے لمبے سانپ تھے جو غصّہ سے پھنکار مار کر اس بدقسمت انسان کے جسم کو کاٹتے تھے اور وہ بیچارہ گی تڑپ کر چلا اٹھتا تھا۔ لب بند۔ آنکھیں کھلیں۔ دست و پا کسے ہوئے۔۔ دل سے بیچین۔ اُس کی صورت باوجود بگڑ دہ اور متغیر ہو جانے کے چندرہ نے اس کو پہچان لیا۔ اور پریم سے التجا آمیز آواز میں کہا "رحم کرو"۔

پریم چندرہ کو وقعت کی نگاہ سے دیکھ کر بولا "چندرہ یہ وہ شخص ہے جس کے بارے میں تم نے خود مجھے رات کو کہا تھا کہ انتقام

لینا تھا تو اس سے لیتے۔ کہاں میں تمہارے حکم کی تعمیل نہ کروں۔ کی
میں تمہارے صدمات کی تلافی نہ کراؤں۔ پیاری کہاں میں اُن انسانوں
سزا نہ دوں۔ جنہوں نے مظلوم اور کنواری لڑکی کو دھوکہ سے اپنے د
میں لا کر لوٹ لیا۔ میں ہرگز ایسے انسان پر رحم نہ کرونگا۔ مجھے اس عفری
خصلت انسان پر سخت غصّہ ہے۔ میں اُس کو کل دشمنوں سے زیاد
سنگین مجرم سمجھتا ہوں۔ اگر میں اس کو اس سے بھی زیادہ اذیت
دوں تو بھی کم ہے۔"

چندرہ اُس بدقسمت انسان کی طرف دیکھ کر بولی "کیوں اب بھی
مظلوم کی آہوں کا احساس کرتے ہو یا نہیں؟"

اُس نے آنکھیں بند کر کے اشکِ غم بہا دیئے۔ جس سے چندرہ کو
بڑا رحم آیا۔ پریم سے بولی "اِس کو کیسے قید کیا تھا؟"

پریم نے کہا "پیاری یہ انسان ہمارے مذہب اور سوسائٹی کا
دشمن ہے۔ اس نے کئی معصوم نوجوانوں کو قبل از موت موت کے گھا
اتارا ہے۔ اِس شخص نے ملک کو جس قدر نقصان پہنچایا ہے۔ اُس کی تلا
اس سے غیر ممکن ہے۔ میرے خیال میں اس پر رحم کرنا حماقت ہے۔"

"پیارے ذرا اِس کے منہ کو تو کھولو۔ میں اس کی زبانی کچھ سننا چاہت
ہوں کیا اِس نے اب تک کچھ عبرت حاصل کی ہے یا نہیں"۔

پریم نے ایک کونے میں جا کر خاص انداز سے ایک چھوٹے س
بٹن کو دبایا۔ وہ بکس جس میں سرخ رنگ کے دو افعی بند تھے ایک د

اُس کے تن سے جُدا ہو گئے۔ اور وہ رسے کے ذریعے نیچے اُتار آگیا پریم نے اُس کے منہ کے بند کو چاقو سے کھولا۔ اور اُس کو اپنے ہاتھ سے کس کے نیچے گرنے سے بچائے رکھا۔ چندرہ نے دیکھا وہ بالکل اندر سے مردہ ہے۔ چندرہ نے اُس کی طرف دیکھ کر طعن آمیز آواز میں پوچھا "کیوں کیا حال ہے؟"

اُس کی روندھی ہوئی آواز کچھ اظہار نہ کر سکی۔ فقط آہ دوز آنکھوں سے اشک بہاتا ہوا قدموں کی طرف جھک گیا۔

"اے شخص اُس وقت تو میرا کہا نہ مانتا تھا اب بتا؟"

"آہ ——— میرے گناہ بخش دو۔ میں نے سخت گناہ کئے ہیں۔ مجھے ہرگز ایسی سختی کی توقع نہ تھی"

چندرہ نے پریم سے پوچھا "پریم سانپ زہریلے نہیں ہیں؟"

پریم نے مسکرا کر کہا "چندرہ سانپ زہریلے ہیں۔ فقط تمہاری اجازت مطلوب تھی۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔ سانپ میرے دیکھتے دیکھتے کئی بار اس پر حملہ آور ہوئے. . . . .

"درست ہے۔ وہ سانپ جن کا میں ذکر کرتا ہوں وہ ایک اور بکس میں قید ہیں۔ ان کے چھوڑنے کا یہ مدعا تھا کہ اس کو ذہنی اذیت نصیب ہو۔ اور ساری رات دلی کلفت سے چلاتا رہے۔"

چندرہ نے کہا۔ پریم اس سے کہو۔ اگر ہمارا مال واپس کر دے تو ہم

اس کو آزاد کر دینے کو تیار ہیں۔"
پریم مسکرا کر بولا "چندرہ! تمہارے مال کی قیمت وصول کر لی گئی ہے بلکہ اس کے ساتھ سود بھی لے لیا گیا ہے۔ اب فقط اس کو اس امر کی سزا دینا باقی ہے۔ جو اس نے تمہارے ساتھ عصمت دری کا ناجائز سلوک کیا ہے"۔

"آہ۔ پیارے ٹھہرو"۔ چندرہ نے پریم کو دروازے کی طرف لے جا کر کہا۔ "آپ ضرورت سے زیادہ سختی تو نہیں کر رہے ہیں؟"

"میری جان سے عزیز چندرہ میں سختی کرنے کا عادی نہیں ہوں میں نے آج تک کسی انسان پر ناجائز دباؤ نہیں ڈالا۔ نہ آج تک کسی بنی نوع انسان کو پھلتا پھولتا دیکھ کر نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ میں تو یہ جو کچھ کر رہا ہوں اپنے دل کے رنج اور مال کے غم کی تلافی کر رہا ہوں۔ ورنہ وہ انسان کس طرح معافی اور مرحمت کے مستحق ہو سکتے ہیں جنہوں نے مجھ بے گناہ کو بے وجہ سانپوں کے منہ میں دھکیل دیا۔ اور میری دولت زندگی اور آرام چھین لینے کے علاوہ مجھے اپنے خیال میں تختۂ دنیا سے نابود کر دیا۔ میں کس طرح ان سے رحم اور نیکی کا سلوک کروں۔ جنہوں نے میری دنیا اور زیست کی مالک مال کو اس ستمگاری سے مجھ سے جدا کر دیا۔ اور میری جان سے عزیز نیک دل محبوبہ کو چھین کر جیل اور طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا کر دیا ایسی صورت میں پیاری تم ہی بتاؤ میں ان سانپوں کو جن کو ہم دودھ پلاتے

ہوں کس طرح ڈنگ مارنے کی قرار واقعی سزا نہ دوں۔ کس طرح رحم اور آزادی کا مستحق سمجھ قصاص لینے کے ارادے کو ترک کر دوں میں تو کم از کم ایسے انسانوں کو یونہی چھوڑ دینے کا قائل نہیں ہوں میں تو راج نیتی کے اصولوں کا پابند ہوں۔ اگر کوئی نیکی کرے تو نیکی کرو اگر بدی کرے تو بدی سے پیش آؤ۔ میں ہاتھ جوڑنے اور جی جی کرنے والا انسان نہیں ہوں۔ جیسے ہر ایک ادنیٰ و اعلیٰ حلق کا نوالہ سمجھ کر نگلنے کی کوشش کرے۔

میں تو اس بدذات کو وہ سزا دینا چاہتا تھا جس کے تصوّر سے انسان کبھی زندہ نہیں رہ سکتا لیکن تمہاری مہربانی اور رحم دلی کے باعث اس ارادے سے دست بردار ہو کر تمہارے رحم پر ہی ڈال دیتا ہوں۔ جو سلوک مناسب سمجھو کرو۔"

چندرہ نے پریم کی لمبی تقریر سے متاثر ہو کر کہا۔ "پیارے تم مجھ سے دانا ہو جو چاہو کرو۔ میں تمہاری داسی ہوں۔ مجھے نیک و بد کی کچھ خبر نہیں۔ جو شخص جس سزا کا مستحق ہے اُس کو وہی سزا دو۔ میں آپ کے انصاف کو خوشی سے دیکھتی رہونگی۔"

پریم نے دردِ دل کے انداز میں کہا۔ "چندرہ! یہ دنیا فانی ہے انسان نہ خود مرتا ہے نہ کوئی مارتا ہے۔ جو کسی سے سلوک کرتا ہے۔ وہی اُس کے پیش آتا ہے۔ ہم کب کسی کو ستانے پر تیار تھے لوگوں نے ہمارے رنج کو تقویت دی۔ ہماری مصیبت کو بڑھایا۔ ہم کو

صفحہ ہستی سے مٹا کر خوشی منانی چاہی۔ ایسی حالت میں تم ہی بتا
جو کرشن کے قول کا پیرو ہو اور موت و زندگی کے سوال اچھی طرح جا
ہو۔ وہ کب ان موذی انسانوں کو خوشی کا موقعہ نصیب ہونے دیتا
کسی کا خانہ خراب کر کے کوئی مسرت کی توقع رکھے یہ خام خیالی ہے
ہر ایک انسان اپنے فعل نیک و بد کا ذمہ وار ہے۔ اور اُسی کے ا
کا مستحق ہے۔ میں تو اُس انسان کو جس نے مال کو چوری کیا اس ط
معمولی سزا دے کر آزاد کرنا نہیں چاہتا۔ میرا ارادہ یہ ہے کہ اس
گردن سے مار دیا جائے۔ وہ انسان جس کی دولت لوٹ لی جاتی ہے
کر جاتا ہے۔ جسے اذیت دی جائے برداشت کر جاتا ہے۔ اور جس
کے کسی رفیق کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ وہ رو پیٹ کر خاموش ہو جاتا ہے
مگر جس انسان نے ایک مظلوم عورت کی عصمت برباد کی ہو اس
لئے میرے خیال میں بدترین سزا ہونی چاہیئے۔ یعنی جلتے تیل میں
ڈال دیا جائے۔ یا کمر تک زمین میں گڑوا کر اُس پر کتے چھوڑ دیئے جا
لیکن میں نے تو اس کے لئے یہ سزا تجویز کی ہے۔ کہ اس کی دو نوا
ٹانگوں کو بجلی کے کرنٹ سے ملحق کر کے اور دو رسّوں سے دونوں
پاؤں علیحدہ علیحدہ باندھ کر کھچوا ڈالے جائیں۔ میں اس ایک انسان
کے دو بنانا چاہتا ہوں اور اُس دو کے کئی ہزار۔"

چندرہ کانپ کر پریم کے سینہ سے لگ گئی۔

پریم نے محبت سے پیار کر کے کہا۔ "اس کو ابھی اسی طرح رہنے

"بیشک بیشک ۔ پریم! اِن لوگوں نے بڑی بے رحمی کا سلوک کیا"
پریم انسپکٹر جعفر حسین کی طرف دیکھنے لگا۔
"اب اِس کو کیا کرو گے؟"
"بس میری دانست میں اِس کو سزا کافی مل چکی ہے۔ روپیہ ہم نے وصول پا لیا ہے۔ کافی عذاب اُٹھا چکا ہے۔ اُمید ہے کہ آیندہ بنی نوعِ انسان سے سختی کا سلوک نہ کریگا۔"
"پریم! آزاد کر دو گے؟"
"ہاں"۔
"کب؟"
"آج شام کو"۔
"اور اُس کو؟"
"وہ بھی آج شام تک زندگی سے آزاد کر دیا جائیگا"
"وہ کہیں تمہارے درپئے آزار نہ ہو"۔
پریم نے معنی خیز نگاہوں سے چیندرہ کو دیکھ کر کہا: "آؤ واپس چلیں ابھی بہت کام کرنے ہیں۔ راستہ میں باتیں کرینگے"۔
دونوں پھاٹک میں آ گئے۔ پریم نے ایک بٹن دبا کر پہلے شخص کی طرف دیکھا۔ وہ برقی کشش سے زمین کی طرف جھکا اور نہایت بے رحمی سے پٹک پٹک کر زمین پر گرنے لگا۔
پھاٹک بند ہو گیا۔ وہ دونو چل دیئے +

دو۔ اِدھر آؤ اور منظر دکھائیں"۔

یہ کہکر پریم چندرہ کو سہارا دیتے آگے بڑھا۔ درمیان میں ایک تختہ پڑا تھا اُس پر زور سے پاؤں مارا۔ سامنے سے ایک پردہ ہٹ گیا۔ دیکھا جنگلے کے پیچھے ایک بدحال سن رسیدہ شخص کھڑا ہے۔ اُس کی آنکھیں اندر کو دھس گئی ہیں۔ چہرے پر مُردنی چھائی ہوئی ہے۔ کپڑے جابجا پھٹے ہوئے ہیں۔ اُس کی حالت بڑی ردی اور خطرناک ہو رہی ہے"۔

چندرہ نے اُسے غور سے دیکھا۔ دو قدم آگے بڑھی اور نمایاں دلچسپی و تجسس کے انداز میں بولی "آہ۔۔۔

پریم!

"چندرہ پہچانتی ہو؟"

"پریم! کیا یہ وہی انسپکٹر ہے؟"

"ہاں پیاری چندرہ تم باوجود نقیبہ۔ کمزور اور غم زدہ ہونے کے ذہین ہو۔ میں تمہارے فہم کی داد دیتا ہوں"۔

چندرہ نے آہستہ سے پوچھا "اِس نے بھی روپیہ کھایا تھا؟"

"ہاں چندرہ۔ مگر اِس کو سزا روپیہ کے غبن میں نہیں دی۔ یہ سزا اُس سختی کے صلہ میں ہے کہ اِس نے میری ماں کو بے گناہ اور مظلوم جاننے کے باوجود بھی زدوکوب کیا اور ایک بے رحم سودخوار سے مل کر میری جائداد اُڑا لی"۔

باب ستارہواں

دونو اُسی موٹر میں سوار ہو کر گوالمنڈی میں ایک عالیشان کوٹھی کے اندر داخل ہوئے موٹر بیٹھکگاہ کے آگے جا کر رُکی اور دونو نیچے اُتر کر ایک دوسرے کا مُنہ تکنے لگے۔ پریم اِس وجہ سے کہ چندرہ کو دیکھوں کس قدر حیرانی میں مبتلا ہے۔ اور چندرہ اِس لئے کہ کہیں بھُول کر شیر کے مُنہ میں تو نہیں آ گئے پریم نے تسلی آمیز آواز میں کہا "چندرہ سہمو نہیں۔ کِشن سنگھ لاہور میں نہیں ہے

"ہیں؟"

"واقعی"۔

"وہ کہاں گیا؟"

"اُس کی بیوی ہردوار گئی ہوئی تھی۔ میں نے ایک اور جگہ سے اُسے تار دلا دی کہ وہ مر گئی ہے۔ وہ ہردوار گیا ہُوا ہے اُمید نہیں کہ ہفتہ سے پہلے واپس آئے"۔

"اور مکان میں کون ہے؟"

"اُس کی ہمشیرہ"۔

چندرہ چونک کر بولی "میں نے سنا تھا کہ وہ مر گئی ہے"؟

"نہیں۔ مر چلی تھی۔ مگر اب زندہ ہے"۔

"ذرا جلدی بتاؤ۔ معاملہ کیا ہے؟"

"چندرہ! وہ چاہتی تھی میرا بیاہ میرے آشنا سے ہو۔ اور اُس کے ساتھ زندگی کے دن لُطف سے بسر ہوں۔ مگر کشن سنگھ چاہتا تھا کسی رئیس کے لڑکے سے ہو۔ اسی کھینچا تانی میں وقت گذر گیا۔ اور کہیں بھی کچھ نہ ہو سکا۔ نیز چونکہ لڑکی خود بیمار ہو گئی تھی۔ لڑکے والوں نے شک کی وجہ سے ناطہ چھوڑ دیا۔ کشن سنگھ نے غصّہ سے بہن کو دھمکی دی۔ کہ اگر تم میرے کہنے پر نہ چلوگی تو میں تم کو تباہ کر دونگا۔ چنانچہ اُس نے اُس کے متعلق خیال چھوڑ دیا۔"

"اوہو۔ یہ بات تھی۔"

"لوگوں نے افواہ اڑادی کہ لڑکی تپ دق میں مبتلا ہے۔ عنقریب مرجائیگی۔ یہ ہے۔ وہ ہے۔ اسی طرح نیم مردہ مریض عشق کو لوگوں نے بالکل مار دیا۔"

"آہ پھر؟"

"بس میں نے اُس کے آشنا سے ملاقات کی۔ اور اُسے جو اُس سے کم آزردہ حالت میں نہ تھا سمجھایا بجھایا جس سے وہ خودکشی اور سکوت قلب سے باز آیا۔ اور میدانِ عمل میں نکل کر کام کرنے لگا امد میری وساطت و مہربانی سے ایک کارخانہ قائم کر لیا۔ عنقریب چل نکلنے کی اُمید کی جاتی ہے۔ آج اُسی محبوبہ سے اُس کا بیاہ . . . ."

بات کاٹ کر "ہیں؟"

"ہاں۔ حیران کیوں ہو رہی ہو۔ آج بھائی کی غیر حاضری میں اُس کا بیاہ ہوگا۔"

"یہ سب آپ کی ہی مہربانی ہوگی؟"

"دیوی جس ہٹ سے انسان بالکل مر رہا ہو اور عقل و خرد سے بیکار ہو چکا ہو۔ اُس حالت میں رفقا کو اُس سے سنگدلی کا برتاؤ نہ کرنا چاہیئے۔ جہاں تک جلد ممکن ہو اُس کی رضا اور مرضی کے موافق کارروائی کرنی چاہیئے۔ انسان طبعی طور پر آزاد پیدا ہوا ہے۔ اور آزادی سے ہی اُسے حقیقی خوشی نصیب ہو سکتی ہے۔ کیوں معصوم لڑکیوں کی نازک آواز کو وقعت نہ دی جائے۔ یہ غلطی ہے جس کی وجہ سے میں نے بجائے اُس کے والدین کے کام اپنے ذمہ لیا ہے۔ اور اُس کی جاتی ہوئی زندگی کو اپنی قوت علم سے لوٹا لیا ہے۔ میں دولت کی اتنی قدر نہیں کرتا جتنی مجھے مظلوموں کی زندگی اور اذیت قلبی کا احساس مجبور کر دیتا ہے۔ میں تو دل میں افسوس کرتا ہوں کہ میں اس پاک ملک میں رہنے کے قابل نہیں رہا۔ ورنہ میں اس گھٹی گذری عظمت و شان و شوکت کے دیار میں رہ کر اسکی خامیوں کو دھو سکتا۔ اس ملک کی پاک دیویاں اور فرشتہ سیرت ہستیاں داخل گور ہو رہی ہیں۔ تقلید اور مصنوعات نے ان کے جذبات پر پردہ ڈال رکھا ہے۔"

چندرہ متاثر آنکھوں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "پیارے ذرا ٹھہر جاؤ میں یکایک رات کو مستقبل کے متعلق کچھ پوچھ نہ سکی تھی۔ اس لئے مجھے

اب مفصل طور پر بتاؤ" کیا آپ اس ملک میں اب نہ رہ سکیں گے"؟

"پیاری جس طرح ہم اب دولت اور عقل کی چالوں سے بھر پاش اختیار کئے ہیں۔ ہم اس طرح نہیں رہنا چاہتے۔ ہم آزادی اور خوش بختی کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے دنیا میں گناہ نہیں کیا اور نہ ہمارا اس شہر میں کوئی خاص مربی باقی زندہ ہے۔ جس کی وجہ سے ہم کبھی نہ کسی طرح یہاں مستقل رہائش رکھیں۔ ہمارے لئے دنیا وسیع ہے ہر شہر ہمارے لئے راج محل اور باغ جہاں سے بہتر ہے۔ ہم دنیا کی سیر و سیاحت کرتے ہوئے اس دوڑ دھوپ میں زندگی بسر کرینگے"۔

"میری بھی یہی خواہش ہے"۔

چندرہ نے پریم کو حقیقی معنوں میں ہمخیال و مربی سمجھ کر باہیں ڈالیں اور اس کے خیالات کو تقویت دینے والے انداز میں بولی "ایک وقت کا اندیشہ ستاتا ہے"۔

"کہو کیا ہے؟

"پاسپورٹ ......

"اس کی پرواہ نہ کرو۔ بندوبست کر لیا ہے"۔

"ذرا مجھے بھی سنا دیجئے"۔

"سنو میں تم کو لے کر کچھ عرصہ بنگال میں چھپ رہونگا۔ وہاں میرے جیسے آدمی کو رسوخ پیدا کرنا بڑی بات نہ ہوگی۔ اول ہم شنگھائی ہنگون چین۔ جاپان وغیرہ ملکوں میں گھومیں گے اس کے بعد ولایت۔ امریکہ اور

جہاں چاہیں گے نکل جائیں گے۔ ہم سال تک ہماری دُنیا ہی بدل جائیگی۔"

چندرو پہلے ہی آزادی پسند تھی اپنے ہیجپال پیارے کی باتیں سُن کر نہایت محظوظ ہوئی۔ اور خوشی سے جھومنے لگی ♦

باب اٹھارہواں

سب سے بڑھ کر انسان کو یہ خواہش ستاتی رہتی ہے کہ میری دلی تمنائیں پوری ہوتی رہیں۔ کبھی ناکامی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہو۔ یہی حالت پریم کی تھی۔ وہ جوں جوں اپنی مرادوں کو کامیاب ہوتا دیکھتا۔ دل میں مسرور ہوتا۔ وہ جور وجبر جو اُس نے اپنے دشمنوں سے روا رکھا اُس کے حالات گزشتہ کا اثر تھا۔ زمین آسمان اُس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کر رہے تھے۔ انسانوں سے اُس کا اعتبار اٹھ گیا تھا۔ اُس نے کسی انسان سے مدد کی خواہش نہ کی نہ اُس جیسے لائق انسان کے لئے انسانی مدد حاصل کرنا مشکل تھا۔ اُس نے خود ہی تیزی پیدا کی۔ مکان تجویز کیے۔ تبدیلیاں کرائیں۔ سانپ اور طرح طرح کے زہریلے بچھو اور اسلحہ جات مہیا کئے۔ خوفناک زہر اور بیہوشی کی دوائیاں حاصل کیں روپیہ پانی کی طرح بہا دیا۔ تنہائی میں قدرت سے صلاح مشورے کرتا

اور اپنے دل میں اُن خوفناک ارادوں کو محفوظ رکھنا تھا اُس کے لئے انسانی ہستی کچھ وقعت نہ رکھتی تھی وہ اس قدر خوفناک جذبات کے بحرِ بیکراں میں غوطہ زن تھا کہ گناہ اور ثواب کے الطاف کو دل سے محو کر بیٹھا او مثلِ موت ہر چہار طرف آگ برسانے لگا۔ کچھ کچھ سکون حاصل ہوا۔ طبیعت قدرے تسکین پر آئی۔ غور و خوض کا مادہ عود کر آیا۔ قوتِ مدرکہ کام دینے لگی۔ انتقام کے ساتھ حق الخدمت بھی دینے لگا۔ اور اس کا صلہ ایک قسط سردار کشن سنگھ کی ہمشیرہ سے ہمدردی و امارت قلبی تھی اور دوسری مہربانی اُس نے دولت رام سے کی۔ وہ لنگڑا ہو کر نوکری سے برطرف کر دیا گیا تھا۔ اُس کے آنے تک وہ لاہور ہیں رہا۔ اور اُسے دو لاکھ روپیہ کی گرانقدر رقم عطا کر کے اپنے وطن سے جدا ہو گیا۔ گو کشن سنگھ سے اُس نے چندرہ کی دل آزاری کا انتقام لینا مناسب خیال کیا تھا مگر چندرہ کے اصرار پر ہی اُسے نظر انداز کر دیا گیا۔ صرف اُسے یہ جتا دیا کہ اپنے آپ کو فرعونِ ثانی سمجھنے کی کوشش نہ کرے۔ دُنیا کی ہر حرکت کا جواب دینا پڑتا ہے۔ اپنی عدم موجودگی میں ہمشیرہ کی شادی کا اُسے بڑا قلق ہوا مگر اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ خاموش رہنا پڑا۔

خاں صاحب جعفر حسین سے پچاس ہزار روپیہ وصول کر گئے اور ایک ہفتہ فاقے رکھ کر آزاد کر دیا۔ جعفر حسین اپنے مکان ہیں جاتے ہی بسترِ علالت پر دراز ہوا۔ اور کئی ماہ کے بعد اس عارضے سے رو بصحت ہوا۔ اپنی

ساری دُرد شا کا حال کسی سے نہ کہا۔ نیز اُسے متنبہ کر دیا گیا تھا کہ اگر وہ کسی سے اِس سلوک کا ذکر کرے گا تو اُس کے لئے تباہی کا موجب ہوگا ایک تو رشوت اور غبن کے ارتکاب میں قید کیا جائیگا۔ دوسرے میرے ہاتھ سے جانبر ہونا مشکل ہو جائیگا۔ چنانچہ پریشان حال کو اُس نے کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے ٹال دیا۔ اور خاموشی و اطمینان سے زندگی بسر کرنے لگا۔

لالہ لکھمی رائے اپنی دولت اور صحت گنوا کر مرنے پر آمادہ ہوئے مگر لوگوں نے اُس کو مرنے نہ دیا۔

شکنتلا نے باوجود کوشش بسیار کے کسی کے سامنے پریم کا نام نہ لیا۔ اور نہ اپنے کو پریم کا نام لینے کی مہلت دی۔ دونو اگرچہ مریض دائمی ہو گئے لیکن دولت غیر منقولہ تاحال کافی تھی۔ باپ نے بیٹی سے درپردہ اپنے سلوک کی معافی مانگی۔ اور پریم کی ہدایتوں پر عمل پیرا ہونے کی سعی کی۔ چنانچہ اُس نے کل جائداد اپنی معصوم لڑکی شکنتلا کے نام رجسٹری کرا دی۔ نیز چونکہ اُس کا لڑکا نہیں تھا۔ بیٹی کو سب کچھ جہیز میں دے کر ایک شریف اور نوجوان لڑکے سے شادی کر دی۔ اور وہ گھر بھی جو کبر و نخوت کا مسکن تھا اور جہاں پر خیالات دولت کے چمن میں منحوس چیلوں کی طرح منڈلا رہے تھے۔ یک قلم خوشی و انبساط کے مندر کی طرح پاک ہو گیا۔

اُس وقت جب پریم اس شہر و دیار سے روانہ ہوا اُس کے پاس

بیس لاکھ روپیہ کی گرانقدر رقم تھی - دس لاکھ روپیہ اُس نے چندرہ کے حوالے کردیا - جو حقیقت میں اُسی کا وصول کیا ہوا تھا - اور دس لاکھ اپنی ذات سے منسوب کیا - جو اُس نے اپنی تباہی و بربادی ماں کی موت - عزت کی خرابی کا جزیہ لوگوں سے وصول کیا تھا - اور دل کے ہیجان کو ہلکا کرکے بنگال کی طرف روانہ ہو گیا -

اِس کے آگے پریم کے سفر کے حالات ہیں - جو کہ غیر دلچسپ ہونے کی وجہ سے قلمبند نہیں کئے جاتے نہ ہی کوئی مفید مطلب ہیں یہ صرف بتا دینا کافی ہے کہ اُن کی زندگی دن عید اور رات شب رات اور عاشق و معشوق کی طرح بسر ہوئی -

چندرہ کو اگرچہ وطن کی یاد کبھی کبھی تڑپا دیتی لیکن پریم کی دلدہی سب پر پانی پھیر دیتی - وہ دونوں ایک جان دو قالب ہو گئے *

تمام شد

مشہور و معروف ناولسٹ لالہ پنالال صاحب کی زبردست تصنیف

جانباز قاتل

بیوی۔ (ناک منہ سکوڑ کر اور بھوں چڑھا کر طیش کے عالم میں) میاں تمہیں ہو کیا گیا؟ نہ کھانے کی سُدھ۔ نہ پینے کا دھیان۔ جب دیکھو ہاتھ میں "جانباز قاتل" ناول۔ میاں (یہ نگوڑا جانباز قاتل ناول ہے یا میری سوت

میاں۔ (جانباز قاتل ناول کی عبارت پر انگلی رکھکر اور آنکھیں ملا کر) اچھے شوہر کی نیک بیوی! تمہیں کیا خبر ہے کہ ناول جانباز قاتل میں کیا جادو بھرا ہے۔ سنو "یہ فن سراغرسانی کا اپ ٹو ڈیٹ۔ نہایت دلچسپ۔ پر اسرار۔ سنسنی خیز لطف آمیز اور عبرت انگیز چوٹی کا ناول ہے۔ اس میں حسن و عشق کی کہانیں راز و نیاز کی باتیں۔ ناظرین کو محو حیرت بنانے والے دلکش ہتھکنڈے ہیں باپ میں نیا راز۔ بیگناہ نوجوان کو باپ کا قاتل اور مجرم بنا کر عبور دریائے شور کی سزا دلانا۔ راستہ میں دو ٹرینوں کی ٹکر۔ نوجوان کا پیدل کلکتہ پہنچکر اپنے دوست ملاقات کرنا اور واپس ہو آنا۔ نوجوان کی سوتیلی ماں کا اسکے دوست پر عاشق ہوکر تمام کچا چٹھا کہہ دینا اور اصلی مجرموں کا کیفر کردار کو پہنچنا عجیب و غریب واقعات کا مجموعہ ہے قیمت فی جلد (عہ)

ملنے کا پتہ: جے ایس سنت سنگھ اینڈ سنز تاجران کتب و پبلشرز سعید بلڈنگ چوک متی لاہور